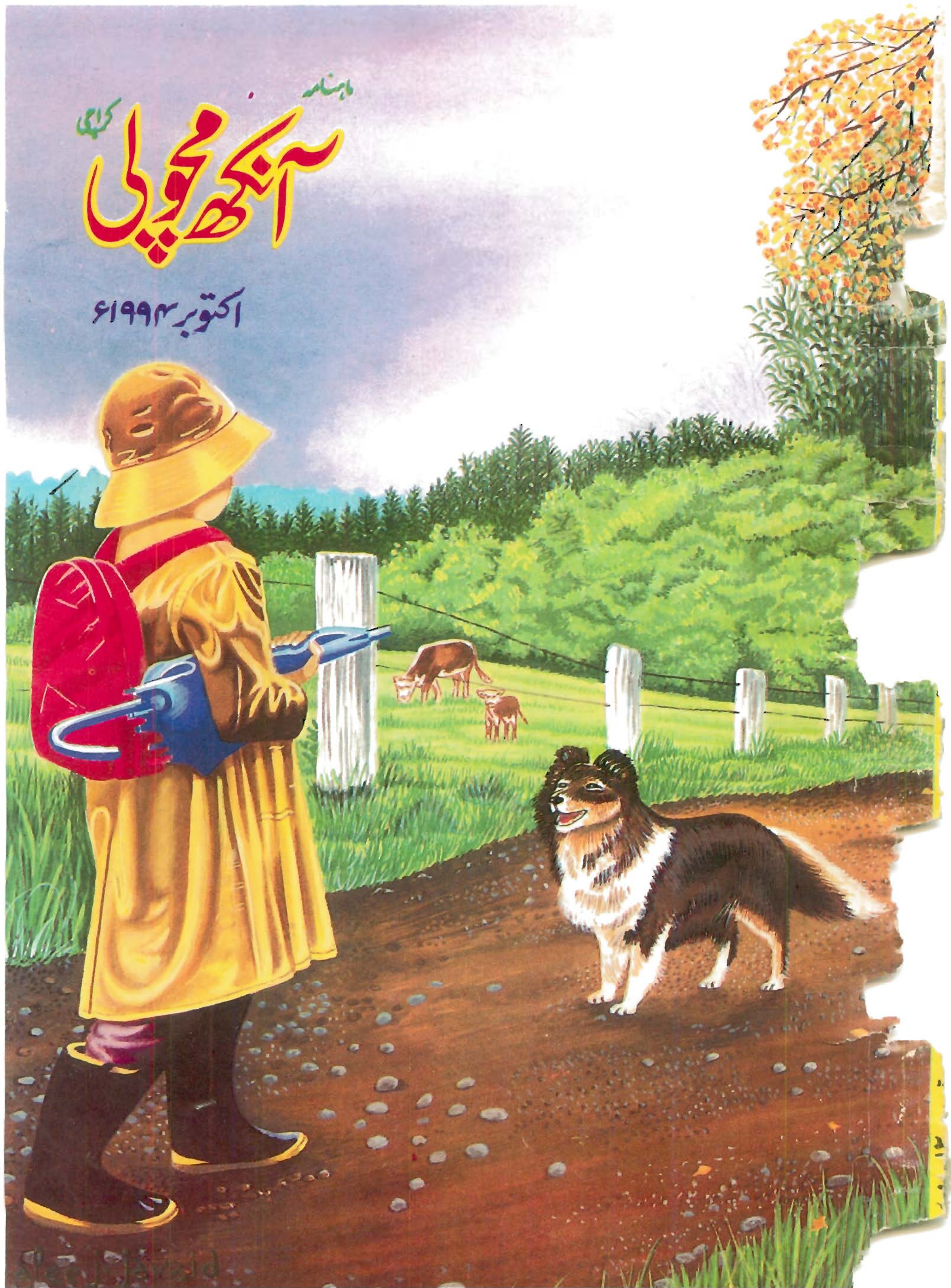
ماہنامہ
آنکھ مچولی
کراچی
اکتوبر ۱۹۹۴ء

NAZ
DELICIOUS PAN MASALA
جس کی خوشبو بھی پیاری
جس کی لذّت بھی پیاری
جو ہے سب کی پسند
میری مُٹھی میں بند
ہے کیا .... بتادو نا
ناز
پان مصَالحہ
ASHRAF PRODUCTS
P.O. BOX 3546, KARACHI-5 (PAKISTAN)
CABLE: "TWO-IN-ONE"

REPCOM

ڈاکیہ آیا آنکھ مچولی لایا

اگر آپ گھر بیٹھے آنکھ مچولی پڑھنا چاہتے ہیں
تو پھر اس کے سالانہ خریدار بنیئے

سالانہ ممبرشپ کے فائدے

96 روپے کی بچت ہوگی
بک اسٹال کے چکر لگانے سے نجات مل جائے گی

آنکھ مچولی کے 12 عام شمارے
اور 2 خاص شماروں کی سالانہ قیمت 236 روپے
لیکن سالانہ خریداروں کے لیے صرف 140 روپے
سالانہ خریدار بننے کے لیے 140 روپے کا منی آرڈر کر دیجئے،
آنکھ مچولی آپ کو گھر بیٹھے ایک سال تک ملتا رہے گا۔

منی آرڈر کرنے کا طریقہ

اگر آپ "آنکھ مچولی" بذریعہ وی پی منگوانا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں ایک خط لکھ دیجئے۔ ہم آپ کو رسالہ بھیج دیں گے۔ یہ رسالہ آپ کے علاقے کا ڈاکیہ آپ تک پہنچائے گا۔ رسالے کے ساتھ ایک وی پی فارم ہوگا۔ اس فارم پر رسالے کا سالانہ چندہ یعنی 140 روپے لکھ کر رقم آپ ڈاکیے کے حوالے کر دیں گے۔ آپ کی ادا کی ہوئی رقم محکمہ ڈاک کے ذریعے دفتر آنکھ مچولی پہنچ جائے گی۔ جس کی رسید آپ کو بھیج دی جائے گی اور یوں ہر مہینے آپ کو پابندی سے رسالہ ملتا رہے گا۔ فرض کیجئے کہ آپ چاہتے ہیں کہ رسالہ راستے میں کبھی گم نہ ہو اور وقت پر آپ کو ملتا رہے تو پھر آپ کو رسالہ رجسٹرڈ ڈاک سے منگوانا چاہیئے اس کی رقم 200 روپے ہے۔

اسے کہتے ہیں: مناسب دام بہت آرام

ان سے تعاون کیجئے — ان پر اعتماد کیجئے

وطنِ عزیز کے قریے قریے
اور نگر نگر
ہر ماہ باقاعدگی سے
آنکھ مچولی
پہنچانے کے لیے ہم نے
ان اداروں
کو اپنا باقاعدہ
ایجنٹ
مقرر کیا
ہے

محمد حسین برادرز	کراچی	۷۷۲۳۱۲۶
سلطان نیوز ایجنسی	لاہور	۵۸۲۳۹
ملک تاج محمد	راولپنڈی	۵۵۴۳۲
مہران نیوز ایجنسی	حیدرآباد	۲۰۱۲۸
افضل نیوز ایجنسی	پشاور	۶۲۵۱۵
اے ایس حامد نیوز سروس	ملتان	۳۳۳۱۰
فیاض بک ڈپو	فیصل آباد	۲۷۴۰۶
ایم ایم ٹریڈرز	کوئٹہ	۷۵۰۰۲
اسلم نیوز ایجنسی	گوجرانوالہ	
سلمان برادرز	نوابشاہ	۲۳۱۴
سعید بک اسٹال	گجرات	۳۶۳۹
پاکستان اسٹینڈرڈ بک اسٹال	سرگودھا	۶۲۹۵۱
طاہر نیوز ایجنسی	جہلم	
کیپٹل نیوز ایجنسی	بہاولپور	۲۹۵۷
چوہدری امانت علی اینڈ سنز	رحیم یار خان	۷۲۶۲۶
مسلم بک ڈپو	سرائے عالمگیر	
رحمت بک اسٹال	اوکاڑہ	
رہبر نیوز ایجنسی	منڈی مدرسہ ضلع بہاولنگر	
ملک اینڈ سنز	سیالکوٹ	۸۷۹۸۹
سلطانی نیوز ایجنسی	چکوال	
مولابخش نیوز ایجنسی	مہران موکز سکھر	
خالد بک اسٹال	گجرات	۳۷۳۱
اسلامی نیوز ایجنسی	وہاڑی	۲۸۸۹

آنکھ مچولی
خریدنے کے لیے
اپنی تجاویز اور مشوروں کیلئے

ان ناموں پر اعتماد کیجئے

خط وکتابت کے لیے — ماہنامہ آنکھ مچولی، ۱-پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت
رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی
رکن پاکستان چلڈرنز میگزین سوسائٹی

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی نقیب

آنکھ مچولی

جلد نمبر ۹ شمارہ نمبر ۴

ربیع الثانی / جمادی الاول ۱۴۱۵ھ اکتوبر ۱۹۹۴ء

مدیر اعلیٰ
ظفر محمود شیخ

منتظم اعلیٰ
تجمل حسین چشتی

منیجنگ ایڈیٹر
ایم اے فاروقی

مدیر اعزازی
طاہر مسعود

مجلس ادارت
منیر احمد راشد، محمد عمر احمد خان

سرکولیشن مینجر
بابر فاروقی

مصوّر
مومن رحیم

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی۔
ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیرالدین میموریل آرگنائزیشن کے زیر سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے شائع کیا ہے۔

قیمت ۱۲ روپے
۷ درہم ۷ ریال

فون: ۴۹۴۲۸۵۷

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی ۵-اے پی آئی بی کالونی کراچی ۵ (۷۴۸۰۰)

ناشر: ظفر محمود شیخ - طابع: زاہد علی - مطبع: لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ کراچی

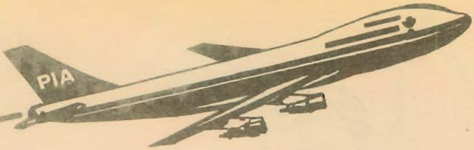

جب آپ نیلے آسمان پہ محوِ سفر ہوتے ہیں
تو آنکھ مچولی آپ کا ہم سفر ہوتا ہے

جی ہاں!

اگر آپ کبھی پی آئی اے سے سفر کر رہے ہوں
اور آپ کا دل کچھ پڑھنے کو چاہے ——— تو آپ اپنے فضائی میزبان
سے آنکھ مچولی کا تازہ شمارہ طلب کر سکتے ہیں
بات صرف اتنی سی ہے

آپ جہاں ہیں — آنکھ مچولی وہاں ہے

• دلچسپ کہانیاں • مزیدار نظمیں • معلوماتی مضامین • چونکا دینے والی تصویریں
اور وہ سب کچھ جو صرف آنکھ مچولی میں ہوتا ہے

وقت کا بہترین استعمال آنکھ مچولی کا مطالعہ

آنکھ مچولی کو آپ ہمیشہ ایک سچا اور وفادار دوست پائیں گے

ادارہ آنکھ مچولی 1۔ پی آئی بی کالونی، کراچی

حسنِ ترتیب

۸۔ سنہرے حروف ______ ادارہ

۹۔ ماہِ رواں کی پہلی بات ______ اداریہ

۱۰۔ محبت ہے ہم کو ___ (نظم) ___ حفیظ الرحمٰن احسن

۱۱۔ رُخِ مصطفٰے ______ محمد جاوید خالد

۱۲۔ علم ___ (نظم) ___ زاہد الحسن زاہدؔ

۱۷۔ اژدہا ______ آصف فرخی

۲۰۔ بادشاہ کے جوتے ______ محمد حسن سروش

۲۲۔ قتل جج نے کیا تھا ______ ایم اے قریشی

۲۴۔ نیم حکیم ______ عثمان بن سلیم

۲۸۔ ابو الہول کی کہانی ______ فوزیہ شمیم

۳۱۔ چڑیا گھر ___ (نظم) ___ پروفیسر عنایت علی خان

۳۲۔ بوڑم بادشاہ ______ منیر احمد راشد

۳۹۔ ذرا اپنے کپڑوں کو تو دیکھیے ______ ابصار عالم کھتری

۴۱۔ گلو اور پومی کی لڑائی ______ فرزانہ روحی

۴۹۔ آٹھواں عجوبہ ______ محمد عادل منہاج

۵۴۔ یہ دنیا اپنا گھر ہے ___ (نظم) ___ عابد سلطان

۵۶۔ پھانسی دے دی جائے ______ علی جبران

۵۹۔ ہنستے ہنستے ______ لطائف

۶۴۔ ایک پرندہ برف میں زندہ ______ م۔ الف۔ راشد

۶۶۔ شاہکار ______ س۔ ق۔ یاقوت شاد

۷۰۔ رنگین چڑیا ___ (نظم) ___ محمد عقیل صابر

۷۱۔ آمنے سامنے ______ سلیم خالق

۷۵۔ مگرمچھ کا ہاضمہ ______ سید عدنان یوسف

۷۷۔ انصاف کا تقاضا ______ عبد الستار خان طاہر

۸۳۔ ہاتھی سب کا ساتھی ______ اقبال جہاں فاروقی

۸۴۔ کوڈو کنڈیکٹر اور ٹکٹ ______ نعیم مشتاق نوی

۹۲۔ عکس ادھورے کیجیے پورے ______ ادارہ

۹۵۔ بچوں کے ایک اچھے شاعر ______ مصباح العثمان

۹۹۔ سرپرائز ______ فدوق حسن چانڈیو

۱۰۴۔ بنام آنکھ مچولی ______ خطوط کے جواب

۱۰۸۔ وہ کیا راز تھا ______ محمد عمر احمد خان

۱۱۵۔ قلم دوست ______ ننھی تحریریں

سنہرے حروف

شیر شاہ سوری برصغیر پاک و ہند کا ایک نہایت بہادر، انصاف پرور اور مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے بے شمار کام کیے جن کی وجہ سے اسے آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب شیر شاہ ابھی بادشاہ نہیں بنا تھا اور ایک عام آدمی تھا۔ ملک پر مغل بادشاہ بابر کی حکومت تھی۔ شیر شاہ نے اپنے ایک بزرگ سلطان جُنید برلاس کے ہمراہ جا کر بابر سے ملاقات کی۔ کچھ عرصے بعد ایک روز شیر شاہ، بابر بادشاہ کے خیمے میں دسترخوان پر بیٹھا تھا۔ طرح طرح کے کھانوں کی طشتریاں چُنی ہوئی تھیں لیکن چمچ صرف ایک تھا۔ جب وہ پھل کھانے لگا تو اس نے چاقو طلب کیا لیکن کسی خدمت گار نے اس کی بات نہیں سُنی۔ اس پر شیر شاہ نے کمر سے خنجر نکالا اور پھل وغیرہ کاٹ کاٹ کر کھانے لگا اور خوب سیر ہو کر دسترخوان سے اُٹھا۔ بابر نے یہ سب کچھ دیکھا اور کہا۔

"یہ افغان معمولی باتوں کی پروا کرنے والا شخص نہیں ایک روز یہ شخص یقیناً بڑا آدمی بنے گا۔"

یہی شیر شاہ ایک دن بادشاہ بنا اور اس نے بابر کے بیٹے ہمایوں کو شکست دی اور ہمایوں کو ایران میں پناہ لینی پڑی۔

ماہِ رواں کی پہلی بات

دنیا میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو تقدیر پر بھروسہ کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو تدبیر کے قائل ہوتے ہیں۔ تقدیر پر بھروسہ کرنے والے نکمے اور کاہل ہوتے ہیں، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس تدبیر کے جو لوگ قائل ہوتے ہیں، وہ مشکلات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اپنا راستہ خود بناتے ہیں اور اپنی بے پناہ جدوجہد سے ترقی کی منزلیں طے کر لیتے ہیں۔

اگر آپ تقدیر پر بھروسہ کرتے ہیں تو پھر آپ کو چاہئے کہ:

○ .... آنے والے کل کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیجئے۔

○ .... اپنے ہر کام کے متعلق سمجھ لیجئے کہ کسی نہ کسی طرح ہو ہی جائے گا کوئی نہ کوئی کر ہی دے گا۔

○ .... وقت کو خوب برباد کیجئے۔ نظم و ضبط سلیقہ اور توازن کو اپنی زندگی سے رخصت کر دیجئے۔

○ .... لکھنے پڑھنے اور تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے کی فکر میں خود کو مبتلا نہ کیجئے۔ خوب فلمیں دیکھئے، سیر و تفریح کیجئے، دوستوں سے گپ بازی کیجئے۔

○ .... آپ کی یہ بے مقصد اور فضول سرگرمیاں آپ کو انشاء اللہ کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ کیونکہ آپ تقدیر پر جو بھروسہ رکھتے ہیں۔

لیکن اگر آپ تدبیر کے قائل ہیں تو پھر آپ کا فرض ہے کہ:

○ .... آنے والے کل کی تیاری آج ہی سے شروع کر دیجئے، اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کیجئے، محنت و مشقت کی عادت ڈالئے، کاہلی اور لاپرواہی کو اپنا دشمن سمجھئے۔

○ .... اپنی زندگی کا ایک ضابطہ مقرر کیجئے۔ اپنے سونے جاگنے، لکھنے پڑھنے، اور کھیلنے کودنے کے اوقات مقرر کیجئے۔ یعنی ہر کام کا ایک وقت مقرر کیجئے اور ہر کام مقررہ وقت پر کیجئے۔

○ .... نماز پڑھنے کو ہر کام پر ترجیح دیجئے۔ نماز سے آپ کی زندگی میں ایک نظم و ضبط اور سلیقہ پیدا ہو جائے گا۔ اللہ کی یاد سے آپ کے دل کو سکون ملے گا، آپ کے کام میں برکت پیدا ہوگی اور دین و دنیا کی کامیابیاں آپ کے حصے میں آئیں گی۔

○ .... ابھی سے اپنے ذہن میں واضح کر لیجئے کہ آپ کو مستقبل میں کیا بننا ہے۔ اور پھر اس مقصد کو حاصل کرنے کی تیاریاں ابھی سے شروع کر دیجئے۔

○ .... معذرت خواہانہ انداز ترک کر دیجئے۔ کوئی غلطی، کوئی خامی، کوئی بھول چوک ہو تو اس کی ذمہ داری قبول کیجئے اور ہمیشہ ایک بہادر اور عالی حوصلہ آدمی ہونے کا ثبوت دیجئے۔ اس سے آپ کے اندر اعتماد پیدا ہو گا اور آپ مشکلات سے لڑنا سیکھ جائیں گے۔

تصویر کے دونوں رخ ہم نے آپ کو دکھا دیئے۔ اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ آپ کو تقدیر پر بھروسہ کرنا ہے یا تدبیر پر۔ اپنا مستقبل خود تعمیر کرنا ہے یا اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر بہنے کے لئے چھوڑ دینا ہے۔

آپ کا دوست طاہر مسعود

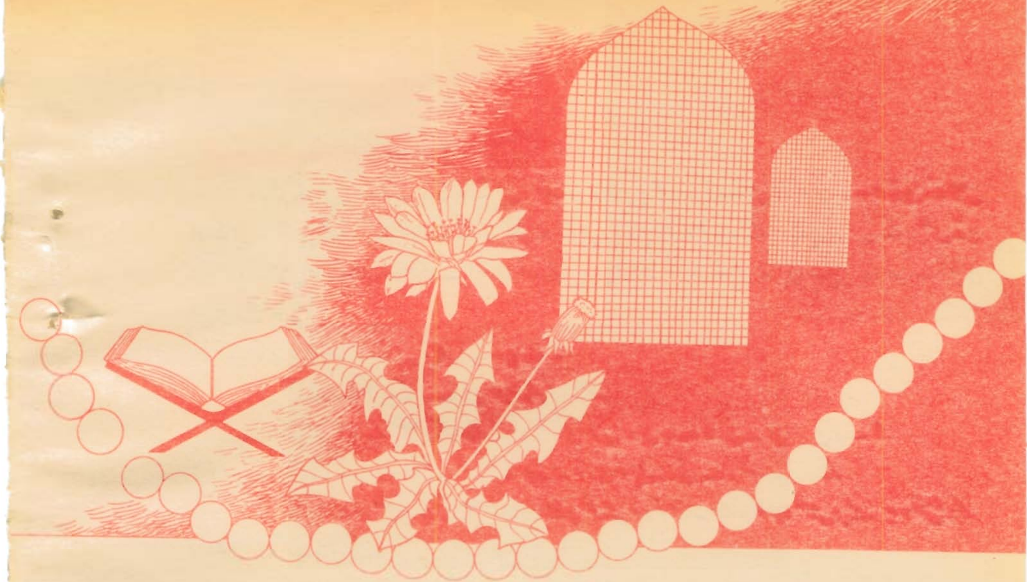

مُحبّت ہے ہم کو خُدا کے نبیؐ سے

حفیظ الرّحمٰن احسن

نبیؐ کا ہے احسان ہم پر نرالا
جہاں میں کیا دین کا بول بالا
کیا نورِ قرآں سے دنیا کو روشن
جہالت کی تاریکیوں سے نکالا
کیا عام دنیا میں سچائیوں کو
کیا دین حق سے جہاں میں اجالا
جو محتاج تھے ان کو بخشا سہارا
جو مظلوم تھے ان کو بڑھ کر سنبھالا
وہ گمراہ جو پھر رہے تھے بھٹکتے
بچایا انہیں، سیدھے رستے پہ ڈالا
سب انساں برابر ہیں، ہم کو بتایا
نہیں فرق ان میں، ہو گورا کہ کالا
محبت سکھائی ہمیں دوسروں سے
کیا اس طرح سے دلوں میں اجالا
نبیؐ کی ہے سیرت جہاں میں نرالی
نبیؐ کا ہے اخلاق سب سے نرالا
سنوارا ہمیں علم کی روشنی سے
محبت ہے ہم کو خدا کے نبیؐ سے!

رُخِ مصطفیٰ

(دوسرا حصہ)

محمد جاوید خالد

غریبوں پر شفقت

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دعا کیا کرتے تھے۔ "اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر۔" حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ "یہ کیوں؟" فرمایا۔ "اس لئے کہ مسکین دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔" پھر فرمایا۔ "عائشہؓ! کسی مسکین کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔ کچھ نہ ہو تو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی سہی، ضرور دے دو۔ عائشہؓ غریبوں سے محبت کرو۔ انہیں اپنے سے نزدیک رکھو خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا۔"

ایثار و قربانی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق میں ایثار و قربانی کو بہت نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ یہ واقعہ تو بہت عام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو گھر کے

سخت کاموں میں مدد کے لئے خادمہ دینے سے یہ فرما کر انکار فرمایا کہ "اصحاب صفہ (وہ غریب صحابیؓ جن کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا کچھ انتظام نہ تھا) تم سے زیادہ حقدار ہیں۔" ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چادر ہدیہ میں ملی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت تھی، رکھ لی۔ ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور کہا۔ "کیا اچھی چادر ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر اتاری اور ان کو دے دی۔ ایک صحابی کے پاس ولیمے کے لئے کچھ نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "عائشہؓ کے ہاں جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔" وہ جا کر لے آئے حالانکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں شام کو کھانے کے لئے کچھ باقی نہ بچا تھا۔ اسی طرح ایک مہمان کی تواضع کے لئے صرف بکری کا دودھ تھا جو خود پی کر رات گزارتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ مہمان کو پلا دیا اور خود رات فاقے میں گزاری۔

گداگری کی مذمت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گداگری کو سخت ناپسند فرمایا کیونکہ اس سے معاشرے میں غیرت و خودداری کا عنصر ختم ہو جاتا ہے۔ کاہلی اور تن آسانی جنم لیتی ہے۔ محنت و مشقت سے رزق حلال کھانے کے بجائے عاجزی اور بے کسی کے ساتھ ہاتھ پھیلانے کی بیماری پھیلتی ہے۔ ایک دفعہ ایک انصاری کے سوال کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تمہارے پاس کچھ ہے۔" وہ ایک بچھونا اور پیالہ لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دو درہم میں فروخت کر کے ان سے فرمایا۔ "ایک درہم سے گھر میں کھانے کا سامان لے جاؤ اور دوسرے سے رسی وغیرہ خرید کر جنگل میں نکل جاؤ اور لکڑیاں لا کر بیچو۔" پندرہ دن کے بعد وہ انصاری آئے تو ان کے پاس دس درہم تھے۔ انہوں نے اس رقم سے گھر کی ضرورت کی چیزیں خریدیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "یہ تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ جب تو قیامت کے دن آئے تو تیرے چہرے پر بھیک مانگنے کا داغ ہو۔"

سخاوت

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ساری عمر میں کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے۔ یعنی سائل کی مدد کے لئے اگر اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر بھی اس کی مدد فرماتے۔ کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ جاتی تو جب تک تقسیم نہ فرما لیتے بے چین رہتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے بکریوں کا ریوڑ مانگ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دیا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ نہ تھا۔ فرمایا۔ "میرے ساتھ آؤ کسی سے کچھ لے دوں۔" حضرت عمرؓ ساتھ تھے۔

عرض کیا۔ "جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ذمہ داری ہے؟" ایک اور شخص نے یہ سن کر کہا۔ "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دیتے جایئے۔ عرش والا خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محتاج نہ کرے گا۔" یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور مسکرا دیئے۔

سادگی

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی سادگی اور بے تکلفی میں گزری۔ کبھی دولت مندوں کے تکلفات اپنے گرد جمع نہ کئے۔ لباس، بستر، کھانا غرض ہر چیز ساری زندگی بہت سادہ رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی، معمولی فرش یا زمین پر بے تکلف بیٹھ جاتے۔ ایک صحابیؓ حاضر خدمت ہوئے تو چمڑے کا ایک گدا تھا جس میں کھجور کی پتی بھری ہوئی تھی۔ وہی ان کی طرف کھسکا دیا خود زمین پر بیٹھ گئے۔ صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گدے پر بیٹھنا خلافِ ادب سمجھا۔ چنانچہ تمام گفتگو میں وہ گدا دونوں کے درمیان پڑا رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ "گھر میں ایک بستر اپنے لئے، ایک بیوی کے لئے اور ایک مہمان کے لئے کافی ہے۔ چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔" ازواج مطہراتؓ کے لئے جو مکان بنوائے تھے وہ دس دس بارہ بارہ فٹ کے کچے حجرے تھے۔ کھجور کی شاخوں کی چھتیں تھیں۔ اونچائی اتنی کہ آدمی کھڑا ہو اور ہاتھ اوپر اٹھائے تو ہاتھ چھت کو جا لگے۔ بنو امیہ کے دور اور عبدالملک کے عہد میں جب مسجد نبوی کو وسیع کرنے کے لئے ان حجروں کو گرایا گیا تو اہل مدینہ بے اختیار رو رہے تھے۔ ان کی آرزو یہ تھی کہ یہ حجرے محفوظ رکھے جاتے تاکہ دنیا دیکھتی کہ دونوں جہانوں کے بادشاہ نے روئے زمین پر کس سادگی اور بے تکلفی سے دن گزارے۔

اہل خانہ کے ساتھ

اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بہترین تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "تم میں اچھا وہ ہے جو اہل خانہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے، میں تم سب سے بہتر ہوں اور میرا برتاؤ بھی اہل خانہ کے ساتھ سب سے بہتر ہے۔" ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ اہل خانہ بھی ساتھ تھے۔ ساربان اونٹ تیز چلانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "دیکھنا یہ تو آبگینے ہیں۔" عورتوں کے بارے میں اس سے زیادہ نازک اور پاکیزہ تصور کی مثال نہیں مل سکتی۔

مسلمان کا احترام

حجتہ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبے کے لئے کھڑے ہوئے تو پوچھا۔ "کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟" لوگوں نے

عرض کیا "خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔" فرمایا۔ "کیا آج قربانی کا دن نہیں؟" لوگوں نے کہا۔ "بے شک۔" پھر پوچھا۔ "معلوم ہے یہ کون سا مہینہ ہے؟" جواب ملا۔ "خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔" فرمایا۔ "کیا یہ حج کا مہینہ نہیں؟" کہا۔ "بے شک۔" پھر فرمایا۔ "معلوم ہے یہ کون سا شہر ہے؟" لوگوں نے پھر عرض کیا۔ "خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔" فرمایا۔ "کیا یہ حرمت والا شہر (مکہ مکرمہ) نہیں؟" عرض کیا گیا۔ "بے شک" ۔ اس طرح دن مہینے اور شہر کی حرمت لوگوں کے ذہن میں بٹھا کر فرمایا۔ "تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں قیامت تک کے لئے اسی طرح حرمت کی مستحق ہیں جس طرح آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ شہر حرمت والے ہیں۔

شرم و حیا

حدیثوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم و حیا کے متعلق یہ بات ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے۔ عمر بھر میں کبھی کسی کے متعلق برا کلمہ زبان مبارک پر نہ آیا۔ اس سے بڑی بات کیا ہو سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔" اور یہ شرم و حیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بچپن ہی سے موجود تھی۔ اس دور کا واقعہ ہے کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگل میں تھے۔ کھیلتے ہوئے بچوں نے کھیل کے لئے پتھر ڈھونا شروع کئے۔ اس عمر کے بچوں کا طریقہ تھا کہ تہبند کی چادر اتار کر کندھے پر ڈال لیتے تھے تاکہ کندھے پر لادے ہوئے پتھر نہ چبھیں کم سنی کی وجہ سے بچے ننگے پھرنے میں کوئی عیب نہ سمجھتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ننگے کندھوں پر ہی پتھر ڈھوتے رہے اور بچوں کے اصرار کے باوجود تہبند اتارنے سے انکار کر دیا۔ فطری حیا نے کم سنی میں بھی عریانی کی اجازت نہ دی۔

تواضع اور انکسار

سخاوت میں مشہور حاتم طائی کا زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا ہے۔ ان کا بیٹا عدی بن حاتم اپنے قبیلے کا رئیس تھا اور مذہباً عیسائی تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے مدینہ منورہ آیا تو یہاں اس نے صحابہ کرام رض کی عقیدت و محبت کے حیرت انگیز مناظر دیکھے۔ جہاد کا ساز و سامان الگ تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہیں یا محض ایک بادشاہ۔ ابھی وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچا تھا کہ مدینے کی ایک غریب لڑکی اور وہ بھی خادمہ نبی پاک کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ کہنے لگی۔ "مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ عرض کرنا ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ "دیکھو مدینہ کی جس گلی میں کہو میں

تمہاری باتیں سن سکتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کنیز کی حاجت پوری کر دی۔ جاہ و جلال کے پردے میں یہ انکساری اور تواضع دیکھ کر عدی بن حاتم کی آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا۔ دل نے فیصلہ دیا کہ یہی تو پیغمبرانہ شان ہے۔ گلے سے صلیب اتاری اور جاں نثاروں میں شامل ہو گئے۔

بات حق

حضرت عبداللہ بن عمروؓ صحابی تھے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات لکھ لیا کرتے تھے ایک دفعہ بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں اور کبھی خوشی کی۔ تم سب کچھ لکھ لیتے ہو؟" عبداللہ بن عمروؓ نے اس بات کی بنا پر لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ "تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے، حق نکلتا ہے۔"

نماز، آنکھوں کی ٹھنڈک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔" چنانچہ عام مسلمان پر تو پانچ اوقات کی نماز فرض ہے مگر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشراق، چاشت، اور تہجد ملا کر آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے اور نماز کی یہ

> سچائی کی مشعل جہاں بھی دکھائی دے اس سے فائدہ اٹھاؤ یہ نہ دیکھو کہ مشعل بردار کون ہے
>
> (حضرت عائشہؓ)

پابندی نبوت کے آغاز ہی سے تھی۔ کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے تھے۔ کئی دفعہ نماز کی حالت میں دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی یاد سے غافل نہ ہوئے۔ سب سے سخت موقع نماز کا وہ ہوتا تھا جب کفار کی فوجیں مقابل ہوتیں۔ تیر و خنجر چلتے ہوتے لیکن ادھر نماز کا وقت آیا اور ادھر صفیں درست ہو گئیں۔ بدر کے معرکے میں تمام مسلمان دشمنوں کے مقابل کھڑے تھے مگر خود ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آگے سجدہ میں جھکی ہوئی تھی۔ تمام عمر میں کوئی نماز اپنے وقت سے نہیں ہٹی اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کسی وقت کی نماز قضا ہوئی۔ ایک تو غزوۂ خندق میں کافروں نے عصر کی نماز کا موقع نہیں دیا۔ ایک دفعہ ایک اور غزوہ کے سفر میں رات بھر چل کر صبح تمام لوگ سو گئے تو بعد میں قضا نماز پڑھی گئی۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ شدت کے بخار اور مرض الموت میں بھی انتہائی تکلیف میں با جماعت نماز ادا فرماتے رہے۔

زاهد الحسن زاهد

کرو خوب محنت سے تم علم حاصل
اسی سے مسافر کو ملتی ہے منزل
اسی سے ہے انسان عزت کے قابل
کرو خوب محنت سے تم علم حاصل

ملے علم ہی سے جہاں میں بزرگی
جو چوری نہ ہو یہ تو دولت ہے ایسی
بناتی ہے یہ جاہلوں کو بھی عاقل
کرو خوب محنت سے تم علم حاصل

بھلے اور بُرے کی ہے پہچان اس سے
بڑھی ہے سدا عقل کی شان اس سے
بغیر اس کے انسان نہیں ہے مکمل
کرو خوب محنت سے تم علم حاصل

جہاں میں بڑے آدمی جو ہوئے ہیں
فقط علم سے ان کے رتبے بڑے ہیں
بڑا آدمی کب بنا کوئی جاہل
کرو خوب محنت سے تم علم حاصل

سمجھ میں نہ بے علم کی جو کہ آئے
وہ نکتہ فقط علم ہم کو سکھائے
اگر زندگی آنکھ ہے، علم کاجل
کرو خوب محنت سے تم علم حاصل

ہوا علم ہی سے جہاں میں اجالا
یہ کرتا ہے انسان کا بول بالا
اگر چاہتے ہو بنو مرد کامل
کرو خوب محنت سے تم علم حاصل

نہ تم علم و حکمت سے آنکھیں چراؤ
جہاں سے بھی مل جائے دولت یہ پاؤ
یہ ہے کامیابی کے دریا کا ساحل
کرو خوب محنت سے تم علم حاصل

ترجمہ
آصف فرخی

اژدھا

ایک سردار جس کا نام میکینزی تھا، فوت ہو گیا تو یہ بحث چھڑ گئی کہ اس کی جگہ اگلا سردار کون ہو گا۔ میکینزی کا ایک بیٹا تھا، مگر بیٹے کی ماں نہیں چاہتی تھی کہ وہ سردار بنے۔

"سردار بن گیا تو اس کا دن رات کا چین اُجڑ جائے گا۔" اس نے کہا۔ "روزانہ کوئی نہ کوئی آدمی اس کے سر پر سوار رہے گا کہ یہ کر دو وہ کر دو۔ میرا بچہ چاہتا ہے کہ چین کی نیند سوئے۔ سردار بن گیا تو نہ دن بھر کرسی پر بیٹھا رہ سکے گا نہ اپنی مرضی سے جس وقت چاہے گا سو سکے گا۔"

قبیلے کے بزرگوں کو معلوم ہو گیا کہ اس لڑکے کو زبردستی سردار بنانے سے کچھ حاصل نہیں۔ اس لئے انہوں نے علاقے کے تمام "وِچ ڈاکٹروں" کو جمع کیا کہ نیا سردار ڈھونڈنے کا طریقہ سوچیں۔

ان سب وچ ڈاکٹروں میں جو سب سے سیانا تھا، اس نے کہا کہ سردار ڈھونڈنے کا ایک ہی طریقہ ہے، اور یہی طریقہ انہیں بھی استعمال کرنا چاہئے۔

"قریب ہی ایک پہاڑی ہے۔" اس نے کہا۔ "اس پہاڑی کے آس پاس چٹانیں ہیں، ان میں ایک اژدہا رہتا ہے۔ جو بھی اس اژدہے کو پکڑ سکے گا۔ اور یہاں تک لے آئے گا، اسے ہی نیا سردار بنایا جائے گا۔"

قبیلے کے سارے بزرگوں نے سر ہلایا کہ سردار تلاش کرنے کا نہایت عمدہ طریقہ ہے۔ حالاں کہ انہیں شبہ تھا کہ اژدہے کو پکڑنے کی ہمت کوئی کر بھی سکے گا کہ نہیں۔ وہ اسی سوچ بچار میں تھے کہ ایک چھوٹا سا لڑکا آیا اور کہنے لگا کہ میں کوشش کروں گا۔ یہ بات سن کر سبھی ہنس پڑے۔

"بے وقوف نہ بنو۔" انہوں نے اس لڑکے سے کہا۔ "چھوٹے لڑکے بڑے بڑے سانپ نہیں پکڑ سکتے۔ یہ تو پھر بھی اژدہا ہے۔"

"میں کوشش کروں گا۔" لڑکے نے کہا۔

بزرگوں نے کہا کہ اسے کوشش ہی نہیں کرنا چاہئے مگر وہ لڑکا اصرار کرتا رہا اور بار بار ان سے اجازت مانگے گیا تو اس کے مسلسل اصرار سے تنگ آکر انہوں نے کہا کہ اچھا، جاؤ جو تمہاری مرضی۔

"اژدہا تمہیں مار ڈالے گا۔" انہوں نے لڑکے کو خبردار کیا۔ "جس وقت وہ تمہیں نگل رہا ہوگا۔ ہماری باتیں یاد کر لینا اور مت سمجھنا، کسی نے تمہیں خبردار نہیں کیا۔"

چھوٹا لڑکا ہنستا کھیلتا اس پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اژدہا رہتا تھا۔ وہ گاؤں سے باہر نکلا تو اس نے لوگوں کے رونے کی آواز سنی اور وہ سمجھ گیا کہ اس کے دوست، رشتے دار اس کے غم میں رو رہے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ وہ اب لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اس نے ان کے غم پر کوئی افسوس نہیں کیا۔ جیسے دل ہی دل میں اسے معلوم ہو کہ وہ اژدہے کو ضرور پکڑ کر لے آئے گا۔ پھر دوستوں کو غم اور ماتم کی ضرورت نہیں رہے گی۔

وہ چٹانوں کے نزدیک پہنچا جو پہاڑی کے ساتھ ساتھ تھیں اور رُک کر جانوروں کی آوازیں سننے لگا جو ہوا کے ساتھ ساتھ آرہی تھیں۔ اس نے خشک گھاس کے سرسرانے کی آواز سنی اور پتیوں کی آواز سنی۔ اس نے دور سے آتے ہوئے پانی کی جھرنے کی آواز سنی اور آسماں پر اڑتے ہوئے عقاب کی آواز سنی جو اپنے شکار کی تلاش میں تھا۔ پھر اس نے ایک آواز اور سنی ـــ سانپ کے پھنکارنے کی آواز۔

لڑکا چلتا رہا اور چلتے چلتے پہاڑی کے دامن تک آگیا۔ جو آواز اس نے سنی تھی وہ زور سے آرہی تھی۔ اور ذرا سی دیر میں اس نے دیکھا کہ چٹانوں کی درزوں میں سے اژدہے کا پھن باہر نکل آرہا ہے۔ اژدہا غصے میں معلوم ہوتا تھا کہ اتنا چھوٹا سا لڑکا اسے تنگ کرنے کے لئے آگیا ہے۔ وہ سرسراتا ہوا اپنے بل سے نکل آیا۔ اور لڑکے کی ٹانگوں کی

طرف لپکا۔

اژدہے کو اپنی طرف آتا دیکھ کر لڑکا مڑا اور پہاڑی سے دور بھاگنے لگا۔ اس کی ٹانگوں میں جتنا دم تھا وہ اتنا ہی تیز بھاگا۔ مگر اس کی چھوٹی چھوٹی ٹانگوں کو دیکھ کر اژدہا ہنسا اور بھاگتے ہوئے لڑکے کے قریب آنے لگا۔

چھوٹے لڑکے نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور قریب آتے ہوئے اژدہے کے ہنسی کی آواز سنی۔ لڑکا بھاگتا رہا اور بھاگتے بھاگتے اس نے اپنے کندھے سے کالا باش اتاری جو اس نے لٹکائی ہوئی تھی اور اس میں سے کچھ نہ کچھ گرانے لگا۔ پہلے اس نے ایک چھپکلی گرائی، پھر دو چار مینڈک گرائے، پھر اسی طرح کے کیڑے مکوڑے گرائے۔

اژدہا اس کے پیچھے آرہا تھا مگر چھپکلی کو دیکھ کر رک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ لڑکے کے پیچھے جائے یا تھوڑی دیر رک جائے۔ مگر اس نے فوراً اپنا منہ کھولا اور چھپکلی کو نگل گیا۔ چھپکلی کو نگل جانے کے بعد وہ پھر لڑکے کے پیچھے روانہ ہو گیا اور اسی وقت رکا جب اس کو مینڈک دکھائی دیئے۔

اژدہا مینڈک پکڑنے لگا اور اس کام میں اسے وقت لگا۔ اتنے بہت سے مینڈک کھالینے سے اس کا پیٹ بھر گیا اور وہ لڑکے کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ اور جب لڑکے کے گرائے ہوئے کیڑے دکھائی دیئے تو انہیں کھانے کے لئے رک گیا۔

لڑکا اپنے کالا باش کی چیزیں گراتا رہا اور اژدہا انہیں نگلتا رہا اور یوں وہ گاؤں کی باڑھ کے پاس آگئے۔ لڑکے نے گاؤں کے بڑے بوڑھوں کو پکارا اور کہا کہ میں لوٹ آیا ہوں۔ پھر باڑھ میں سے دب دبا کر اندر آگیا۔

"اچھا ہوا تم لوٹ تو آئے۔" گاؤں کے بوڑھوں میں سے ایک نے کہا۔ "لیکن وہ اژدہا کہاں ہے جسے تم پکڑنے گئے تھے؟"

لڑکا بالکل چپ رہا۔ گاؤں کے سارے لوگوں کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر وہ مڑا اور پیچھے کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے جس سمت اشارہ کیا تھا۔ گاؤں والوں نے ادھر دیکھا تو اژدہا خوب پیٹ بھرے ہوئے آہستہ آہستہ رینگتا ہوا سامنے آگیا۔

اژدہے کو آتا دیکھ کر لوگوں نے جھرجھری لی۔ چھوٹے لڑکے نے آگے بڑھ کر اژدہے کے سر پر نیزہ مارا۔ اس کی دیکھا دیکھی گاؤں کے لڑکے بھی اژدہے پر پل پڑے اور اسے مار مار کر ہلاک کر ڈالا۔

چھوٹا لڑکا قبیلے کے بزرگوں کے سامنے آیا اور ان سے کہا کہ اب وہ سردار بننا چاہتا ہے۔ بزرگوں کو حیرت تھی کہ اتنا چھوٹا سا لڑکا اتنا بہادر ہو سکتا ہے مگر انہیں اپنا وعدہ یاد تھا اور انہوں نے اسے سردار مان لیا۔

گاؤں کا سردار بننے کے بعد وہ چھوٹا سا لڑکا اتنا چھوٹا بھی نہیں رہا۔ پھر وہ بڑا ہو گیا۔

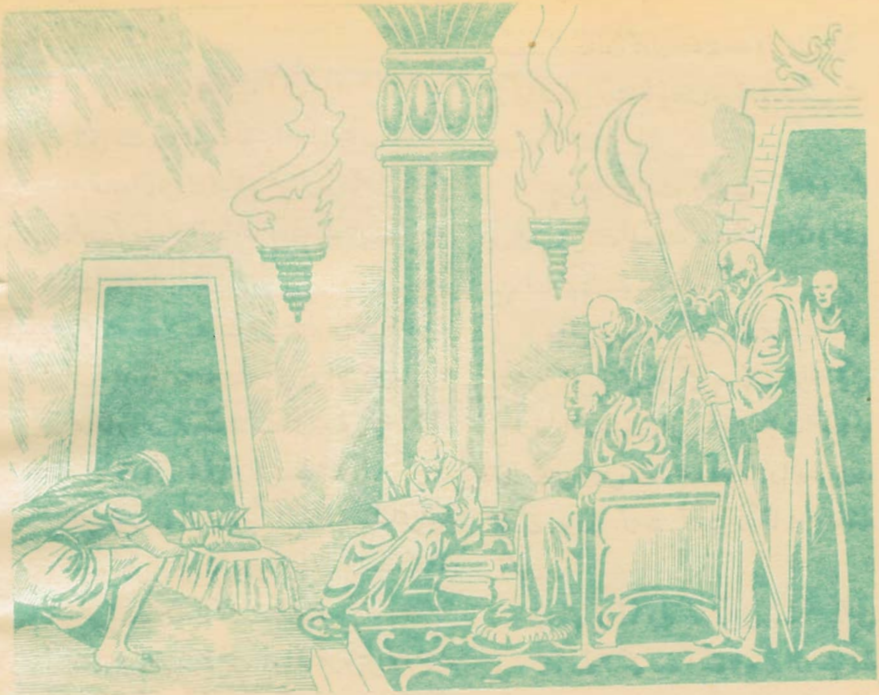

بادشاہ کے جوتے

محمد حسن سروش

جوتے کا نام تو آپ نے یقیناً سنا ہی ہو گا نہ صرف سنا ہو گا بلکہ دیکھا اور پہنا بھی ہو گا اور مجھ جیسے مفلوک الحال قسم کے شخص نے تو اکثر کھایا بھی ہے۔ جوتا اگر امن کے طور پر استعمال کیا جائے تو کانٹوں، کنکریوں اور گرم سڑک سے بچاؤ کا مفید ذریعہ ہے لیکن اگر اس کا منفی طریقے سے استعمال کیا جائے تو یہ کھال کھینچنے کے کام بھی آتا ہے۔ ایک مرتبہ مجھے جوتا بلکہ جوتے پڑے تھے تو انہوں نے وہ یادگار چھوڑی کہ کمر پر اب تک نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ویسے اس کا فائدہ ہوا ہے اور وہ یہ کہ

جب کبھی میں راستہ بھٹک جاتا ہوں، تو لوگ جوتوں کے نشان پہچان کر گھر چھوڑ جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ یہ بہت ہی کام کی چیز ہے مگر یہ کیسے وجود میں آیا اس کے بارے میں ایک دلچسپ کہانی بیان کی جاتی ہے۔

صدیوں قبل کسی ملک پر ایک بادشاہ کی حکومت تھی۔ بادشاہ بے حد نیک دل اور انصاف پسند تھا لیکن وزیر اعظم صاحب اوّل درجے کے بے ایمان اور شر پسند تھے ان کے غلط کاموں سے ملک میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ عقل مند وزیروں اور قاضئ شہر نے بادشاہ کو آگاہ کیا کہ ملک میں امن وامان نہیں ہے اور کسی بھی وقت حکومت ہاتھ سے چھن سکتی ہے۔ بادشاہ نے حکومت چھن جانے کے خوف سے ملک بھر کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ملک میں اعلان بھی کروایا گیا کہ بادشاہ سلامت تشریف لا رہے ہیں۔ تمام بازار اور گلیاں صاف کر دی جائیں۔ لوگ زور و شور سے گلیاں اور بازار صاف کرنے لگے۔ جس کی وجہ سے سارے ملک میں گرد و غبار نظر آنے لگا۔ بادشاہ کو چھینکیں آنے لگیں تو اس نے فوراً حکم جاری کر دیا کہ پانی چھڑک کر صفائی کی جائے۔ جب پانی چھڑکا گیا تو وہ مٹی کے ساتھ مل کر کیچڑ میں تبدیل ہو گیا۔ اب تو چلنا بھی دشوار ہو گیا۔ کیونکہ پھسلن بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ ایک وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ اگر گائیوں کی کھالیں بچھا دی جائیں تو بادشاہ سلامت با آسانی اس پر چل سکتے ہیں۔ بادشاہ کے حکم پر یہ کام فوراً شروع کر دیا گیا مگر گائیوں کی کھالیں بھی سارے شہر کی سڑکیں نہ ڈھانپ سکیں۔ تمام درباری سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا کیا جائے۔ اچانک قاضی نے تجویز پیش کی کہ بادشاہ سلامت اپنے پاؤں پر کھال باندھ لیں تو پھسلنے سے بچ جائیں گے۔ بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اس نے قاضی کو انعام سے نوازا۔ کیونکہ یہ جوتے تھے جو کسی انسان نے پہلی بار پہنے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان ابتدائی جوتوں سے اعلیٰ قسم کے جوتے بننے لگے۔ آج ہم جو جوتے پہنتے ہیں انہی کھال والے جوتوں کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

جواہر پارے

مرسلہ ...... ملک طارق محمود، گولارچی سندھ

۔ وہ شخص بڑا سیاہ باطن اور ظالم ہے جس کے ہاتھ سے کسی چیونٹی کو بھی دکھ پہنچے۔

۔ اگر تو آزاد ہے تو بس زمین پر سو لے۔ قالین کے لالچ میں کسی کے سامنے زمین بوسی نہ کر۔

۔ جس کے بدن پر کپڑا موٹا ہے اس کا ایمان بھی موٹا ہے اور جس کے بدن پر کپڑا باریک ہے اس کا ایمان بھی باریک ہے۔

۔ اسلام دنیا کا واحد دین ہے جس کے کسی شعبے میں تعصب نہیں پایا جاتا۔

قتل جج نے کیا تھا

ایم اے قریشی

جج بہت پریشان تھا، کیونکہ قاتل ہونے کا اقرار سات ملزمان کر رہے تھے، جب کہ قتل ایک ہوا تھا۔ وہ ساتوں مقتول کے جگری دوست تھے۔ ان کے بیانات قلم بند کئے گئے۔ ساتوں کے بیانات بالکل ایک جیسے تھے۔ اور ساتوں میں سے کوئی بھی اپنے بیان میں تبدیلی کروانے پر رضامند نہیں تھا۔ جج بڑی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ہر ملزم چاہ رہا تھا کہ اسے قاتل قرار دے کر سزا دی جائے۔

ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق جرم نہایت ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اور مجرم نے اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑا تھا۔ کافی دن مقدمہ چلتا رہا مگر وہ ساتوں اپنے بیانات پر ڈٹے رہے۔ جج کو کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ آخر کار تنگ آکر جج نے خود کو نااہل قرار دے کر اس عہدے سے سبکدوش کر دینے کی درخواست دے دی جو یہ کہہ کر واپس کر دی گئی کہ اس کی اپنی اہلیت کے بارے

میں اس کی اپنی ہی رائے کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ جج نے ساری کوششیں کر ڈالی، مگر فرار یا نجات کا کوئی راستہ نہیں ملا۔ آخر اس نے بہت سوچ بچار کے بعد اس مسئلے کا ایک انوکھا حل دریافت کیا۔ جس نے قانون کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔

تیسویں پیشی کے دوران جج نے وکیل کی بات کاٹتے ہوئے اچانک کہہ ڈالا "بند کرو یہ فضول بحث۔ اصل مجرم میں ہوں۔ قتل میں نے کیا ہے۔ سزا بھی مجھے ہی ملنی چاہئے۔" جج کی یہ بات سن کر عدالت کا ہر شخص حیرت زدہ ہو گیا۔ وہ ساتوں ملزم بھی ہکابکاجج کا منہ تک رہے تھے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ایک معزز جج مذاق میں بھی ایسا سنگین جھوٹ بول سکتا ہے۔ جج اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھا اور ساتوں ملزموں کے ساتھ بینچ پر جاکر بیٹھ گیا۔ بہرحال اس کو ملزم مان کر اسے بھی ملزمان کی فہرست میں شامل کر لیا گیا۔ اور اس کی جگہ ایک نیا تجربہ کار جج مقرر کر دیا گیا۔ نئے جج نے جلد ہی فیصلہ سنا دیا......

اس نے اپنے فیصلے میں لکھا تھا

کافی غور و خوض کرنے کے بعد میں اس نتیجے میں پہنچا ہوں کہ ایک ہی جیسے بیانات اور ایک ہی جیسے ثبوتوں کی موجودگی میں یہ ضرور ہو گیا کہ ملزمان کی شخصی حیثیت کو دیکھا جائے کہ معاشرے میں وہ کس حیثیت کا مالک ہے تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ سابق جج سب سے زیادہ معزز اور قابلِ اعتبار ہے لہٰذا اس کے بیان پر یقین کر کے اسے مجرم قرار دیا جاتا ہے اور معزز عدالت اسے عمر قید کی سزا سناتی ہے۔"

اس فیصلے کے تیسرے دن مقتول کے وکیل نے عدالت میں مرحوم کی وصیت پڑھ کر سنائی جسے سن کر تمام لوگ ہکابکا رہ گئے۔ وصیت میں مقتول نے لکھا تھا۔

"میں ایک ایسے طریقے سے خودکشی کر رہا ہوں کہ وہ خودکشی کی بجائے قتل معلوم ہو۔ میری موت کے بعد میری تمام جائیداد کا مالک و وارث وہ شخص ہو گا جو خود کو قاتل ثابت کر کے سزا پانے میں کامیابی حاصل کر لے۔

اس وصیت کے سامنے آنے پر جج کی سزا کالعدم قرار دے دی گئی لیکن اس پر اپنے عہدے کے ناجائز استعمال اور جھوٹی قسم اٹھانے کا مقدمہ قائم کر دیا گیا اور آئندہ کے لئے اسے نااہل جج قرار دے کر عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ لیکن اب اسے اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ اب کروڑوں روپے کی جائداد کا اکیلا وارث بن چکا تھا۔ وہ جیل سے باہر نہیں آنا چاہتا تھا کیونکہ اسے عرصے تک جیل کی چار دیواری کے اندر محفوظ رہ کر مرحوم کے ساتوں دوستوں کے غیض و غضب کے ٹھنڈے ہو جانے کا انتظار تو کرنا ہی تھا جو اپنے مرحوم دوست کی دولت حاصل کرنے کے سلسلے میں اس سے مات کھا گئے تھے۔

نیم حکیم

عثمان بن سلیم

فہد نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتابیں بستر پر پھینکیں اور دھپ سے بستر پر گر گیا۔ کالج سے وہ ابھی ابھی لوٹا تھا اور بے حد تھکا ہوا تھا۔ پھر اوپر سے گرمی اتنی تھی کہ پسینے سے اس کا بُرا حال تھا۔ جب وہ جوتوں کے تسمے کھولنے کے لئے اٹھا تو اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور باجی تیزی سے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"آگئے کالج سے؟" انہوں نے حسبِ عادت تیزی سے فہد کو مخاطب کیا۔ "جی!!...... خیریت؟" فہد نے جوتوں کے تسمے کھولتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ باجی کو کوئی کام آن پڑا ہے۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ابا جان کا فون آیا تھا وہ کہہ رہے تھے کہ فہد کالج سے آجائے تو اس سے کہنا کہ آج ٹیلیویژن ضرور ٹھیک کرالے۔ کیوں کہ کل سے کرکٹ میچ شروع ہو رہا ہے۔"

باجی نے یہ دیکھے بغیر کہ وہ کتنا تھکا ہوا ہے، ابا جان کا حکم سنایا اور جتنی تیزی کے ساتھ آئی تھیں اتنی ہی تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

ابا جان کرکٹ کے بے حد شوقین تھے اور تمام میچ بڑے ذوق و شوق سے ٹی وی پر دیکھتے تھے۔ ٹی وی کچھ دنوں سے خراب تھا اور فہد مصروفیت کی وجہ سے مکینک کو لا نہیں پا رہا تھا۔

"اس سے پہلے کہ ابو آفس سے آئیں اور مجھے ڈانٹ پڑے مجھے مکینک کو ٹی وی دکھا دینا

چاہئے۔" یہ سوچ کر فہد نے اسی وقت منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھایا۔ اور پھر گھر سے باہر نکل آیا۔ گلی میں قدم رکھتے ہی اسے شدید گرمی کا احساس ہوا۔ فہد نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ گلی تقریباً سنسان پڑی تھی۔ فہد ایک طرف کو تیز قدم اٹھاتا آگے بڑھنے لگا۔ ابھی وہ بمشکل گلی کے آخری سرے تک ہی پہنچا ہو گا کہ کسی نے پیچھے سے اسے آواز دی۔ فہد چلتے چلتے رک گیا۔ پلٹ کو جو دیکھا تو شکیل عرف بابو بھائی حسبِ عادت بتیسی نکالے گلی میں کھڑے ہونقوں کی طرح اسے تک رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی فہد کو اپنے جسم میں خون کی گردش تیز ہوتی محسوس ہوئی۔ "بھاگو میاں!" اس کے اندر کسی نے سرگوشی کی لیکن اسے وہاں سے ایک قدم آگے بڑھنے کا بھی موقع نہ مل سکا کیونکہ چند ہی سیکنڈوں میں اس کا ہاتھ بابو بھائی کے ہاتھوں میں دبا ہوا تھا۔

"ارے بھئی فہد میاں! یہ اتنی کڑکتی دھوپ میں کہاں کا ارادہ ہے؟"

"وہ ...... بابو بھائی! دراصل کئی روز سے ہمارا ٹیلیویژن خراب ہے۔ میں مکینک کو لینے جا رہا تھا۔" فہد نے بتایا۔

"ارے بھئی کیا ہوا تمہارے ٹی وی کو؟" انہوں نے ذرا چونک کر پوچھا۔

"وہ تصویر نہیں آ رہی ہے۔" فہد نے جلدی سے کہا۔ کیونکہ اب اسے گرمی سے وحشت سی ہو رہی تھی۔ اور پھر بابو بھائی!! لیکن وہ بابو بھائی ہی کیا جو اس قدر آسانی سے پیچھا چھوڑ دیں۔

محلے کے ہر شخص کے کام آ کر انہیں خوشی محسوس ہوتی تھی۔ جہاں کسی کو کوئی چھوٹا موٹا کام در پیش ہوا، انہوں نے فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔ کوئی بھی کام وہ ڈھنگ سے کر تو نہیں پاتے، ہاں! کبھی کبھار کامیاب ہو جاتے تھے۔

فہد کو ڈر تھا کہ کہیں وہ اپنی خدمات پیش نہ کر دیں اور پھر وہی ہوا۔ سینہ تان کر انہوں نے کہا۔ "ارے بھائی تو مکینک کو بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں جو ہوں۔"

"آپ!!!...... ارے نہیں بابو بھائی! آپ کہاں تکلیف کریں گے۔ میں مکینک کو لے آتا ہوں۔" فہد نے جان چھڑانے کی کوشش کی۔

لیکن بابو بھائی نے فہد کی ایک نہ سنی۔ اس کا ہاتھ پکڑا اپنے گھر سے چند اوزار لئے۔ اوزار کیا تھے، ہتھیار تھے۔ جو کسی طرح بھی ٹیلیویژن ٹھیک کرنے والے نظر نہیں آتے تھے۔ خیر فہد ڈرتے ڈرتے انہیں لے کر گھر آ گیا۔

گھر آتے ہی انہوں نے ٹی وی کو کسی ماہر مکینک کی طرح کھولا۔

اور پھر کسی ماہر سرجن کی طرح ٹی وی کی وہ سرجری کی کہ سارے پُرزے باہر نکال دیئے۔ اب ٹی وی بغیر گُردوں کا کوئی مریض معلوم ہو رہا تھا۔

"بابو بھائی! آخر اس میں خرابی کیا ہے؟" فہد

نے انہیں پُرزوں میں مصروف پایا تو پوچھ ہی لیا۔
"ایک خرابی...... میاں! اس کے تو سارے ہی پرزے خراب ہیں۔ کہاں سے لیا تھا یہ پُرانا ٹی وی؟"
انہوں نے پکچر ٹیوب کا بغور معائنہ کرتے ہوئے منہ بنایا تو فہد کو بے حد غصہ آیا۔
نئے ٹی وی کو وہ پُرانا کہہ رہے تھے حالاں کہ پُرانے تو وہ خود تھے۔
بابو بھائی کو ٹی وی میں مغز ماری کرتے ہوئے کافی دیر ہو گئی تو فہد نے پوچھا۔
"کیا ٹی وی ٹھیک ہو جائے گا؟"
"بس اب تم دیکھتے جاؤ میں کیسے ٹھیک کرتا ہوں!!" انہوں نے کسی بڑے مکینک کی طرح بے نیازی سے کہا۔
"لیکن پھر بھی کتنی دیر میں ٹھیک ہو جائے گا۔" فہد نے پریشانی کے عالم میں پوچھا کیوں کہ ابو کے آنے کا وقت ہو چلا تھا۔
"ارے بھئی! چھری کے نیچے دم تو لو۔ تم فکر مت کرو بس اب یہ ٹھیک ہونے ہی والا ہے۔" بابو بھائی نے جھنجھلاتے ہوئے کہا لیکن فہد کو دور دور تک ٹی وی کے ٹھیک ہونے کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ پھر کچھ امید بندھی اور پھر یہ خوشی اس وقت کافور ہو گئی جب بابو بھائی اپنے اوزار سنبھالتے ہوئے بولے۔
"بھئی فہد میاں! دراصل ٹیلیوژن ٹھیک کرنے کے پورے اوزار اس وقت موجود نہیں۔ تم یوں کرو کہ کسی اچھے سے مکینک کو بلا لو وہ ضرور تمہارا ٹیلیوژن ٹھیک کر دے گا۔"
"لل...... لل لیکن بابو بھائی یہ ٹیلیوژن کا اتنا سامان جو آپ نے نکالا ہے۔ اسے تو لگاتے جایئے۔" فہد نے بوکھلا کر کہا۔
میاں میں نے کہا نا کہ میرے پاس اس وقت اوزار موجود نہیں تم کسی مکینک کو بلا لو وہ ان پُرزوں کو بھی ان کی جگہ پر لگا دے گا۔"
"لیکن بابو بھائی...... وہ ابا جان......" فہد نے کہنا چاہا۔ بابو بھائی نے تو جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ جھٹ سے تھیلا سنبھالا اور پٹ سے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئے۔ فہد انہیں روکتا ہی رہ گیا۔ لیکن وہ نہیں رُکے۔ اب فہد کو اپنے اوپر بے تحاشہ غصہ آنے لگا تھا۔
"اگر میں بابو بھائی کو پہلے ہی صاف صاف منع کر دیتا تو اصلی مکینک کو لا چکا ہوتا اور وہ ٹی وی ٹھیک کر چکا ہوتا!!"
فہد نے ابھی اتنا ہی سوچا تھا کہ دروازے پر لگی اطلاع گھنٹی چیخ اٹھی پھر دروازہ کھلنے اور باجی کے تیز تیز بولنے کی آواز آئی۔
"جی ہاں ابو! مکینک آچکا ہے...... ٹی وی ٹھیک کر رہا ہے۔ "اچھا میں بھی تو دیکھوں ٹی وی کیسے ٹھیک ہوتا ہے۔" ابو کی آواز سنائی دی پھر قدموں کے آنے کی آواز ...... لیکن فہد کو اب ہوش کہاں تھا وہ ٹی وی کے بکھرے ہوئے پُرزوں پر ہی ڈھیر ہو گیا!!!

ڈھائی من کے ویری ڈیالو
چاہے مانو یا نہ مانو

یہ گول مٹول اور موٹا تازہ بچہ ویری ڈیالو ہے۔ جی ہاں یہ بچہ ہی ہے۔ آپ اندازہ کیجیے اس کی عمر کیا ہو سکتی ہے...... جی جناب! ویری ڈیالو صاحب دس برس کے ہیں اور ان کا وزن ہے ۲۱۰ پاؤنڈ۔ نہیں بلکہ ہم آپ کو اس کا پورا "ناپ" بتاتے ہیں۔

ویری ڈیالو کا سینہ ۴۹ انچ، کمر ۵۰ انچ اور بازوؤں کی موٹائی ۱۴ انچ ہے۔ یہ ۵ فٹ لمبے ہیں اور اکثر اپنے تئیس سالہ بڑے بھائی کی الماری سے کپڑے اڑا کر اور خود پہن کر بڑے مزے سے گھومتے پھرتے ہیں۔

ویری ڈیالو برازیل کے قصبے سینٹاریم میں پیدا ہوئے۔ جب یہ ڈیڑھ سال کے تھے تو ان کا وزن ۵۶ پاؤنڈ تھا۔ ڈاکٹروں کا اندازہ تھا کہ دس برس کی عمر میں ان کا وزن ۴۴۰ وولٹ..... اوہ میرا مطلب ہے ۴۴۰ پاؤنڈ ہوگا اور لوگوں کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے کہ اپنے ہی بوجھ تلے دب کر ان کا دم نکل جائے لیکن ایکوپنکچر طریقہ علاج کے ماہر "نار برٹو آراکاوا" کی محنت رنگ لائی اور ویری ڈیالو ۴۴۰ کے خطرے سے بچ کر ۲۱۰ پاؤنڈ کے ہو گئے۔ ویری ڈیالو اب بھی اپنی عمر کے نارمل بچوں سے تین گنا وزنی اور موٹے ہیں۔ ویری ڈیالو نہ صرف خاصے سمجھدار ہیں بلکہ اچھی بھلی شرارتیں بھی کر لیتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی ان سے شرارت کرے تو پھر.........

ویری ڈیالو جب اپنے قصبے میں اپنے گھر سے باہر گلی محلے میں نکلتے ہیں تو لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات تو ان کے لیے گھومنا پھرنا دشوار ہو کر رہ جاتا ہے۔

اکثر لوگ ایک دوسرے سے شرط لگا کر ویری ڈیالو کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر ہی شرط ہار جاتے ہیں۔ اسکول میں بعض بچے اسے "مولو یا جن کا بچہ" کہہ کر چھیڑنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ کوشش انہیں مہنگی پڑتی ہے کیونکہ جب ان میں سے کوئی بچہ ویری ڈیالو کے ہتھے چڑھ جاتا ہے تو اسے اپنی توند کے ذریعے خوب رگیدتے ہیں۔ یوں بچوں کو انہیں چھیڑنے پر اچھا سبق مل جاتا ہے۔

ابوالہول کی کہانی

فوزیہ شمیم

شہنازاور وسیم
بچے نئے
بُت نیا
لباس قدیم

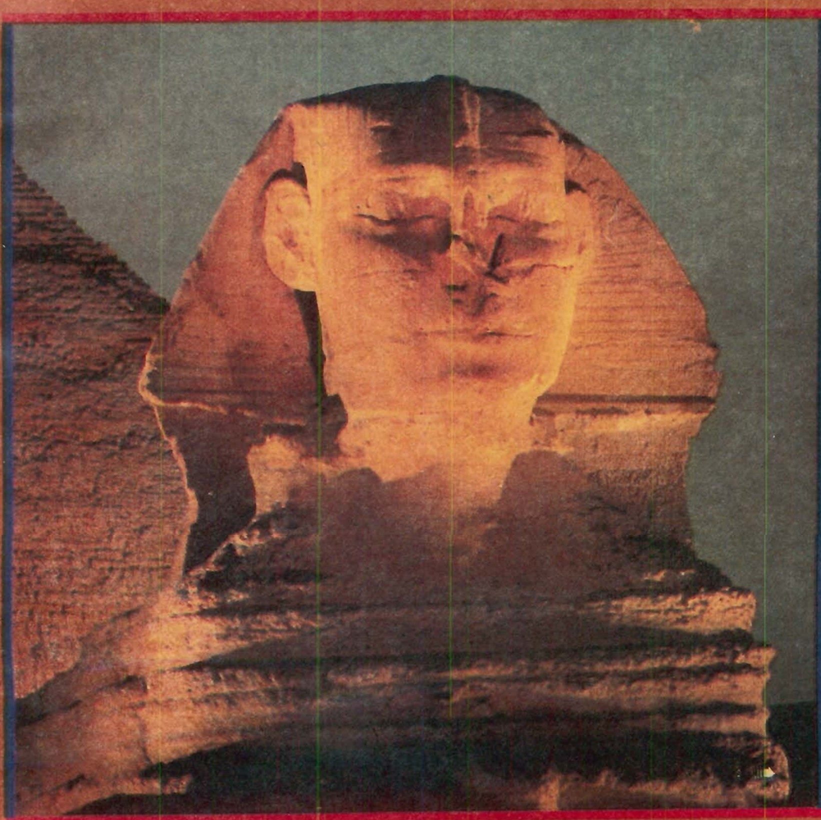

بھلا کب؟؟...... چودہ سو سال قبلِ مسیح میں ...... اور کہاں ؟؟...... غزہ کے صحرا میں غزہ جو مصر میں واقع ہے...... دریائے نیل کے نزدیک ...... اور اہرام مصر کی وجہ سے مشہور ہے۔

تو قصہ یوں ہے کہ چودہ سو سال قبلِ مسیح میں مصر میں ایک شہزادہ تھا...... تھامس ...... ایک دن شہزادہ ابوالہول کے سامنے میں سویا ہوا تھا...... بالکل اس کی ٹھوڑی کے نیچے ...... اچھا آپ کو پتا ہے یہ ابوالہول ہے کیا؟...... یہ ایک بہت بڑا بت ہے جس کا سر انسان کا ہے اور باقی پورا جسم اور پنجے شیر کے ہیں ...... اس کی لمبائی ۱۸۹ فٹ اور اونچائی ۶۵ فٹ ہے۔ دور سے دیکھیں تو لگتا ہے کہ کوئی پہاڑ ہے۔

یہ مجسمہ تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح میں ایک بڑی چٹان کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ ماہرین کہتے ہیں کہ اسے خفرا نامی فرعون نے تیار کروایا تھا ...... اور شاید یہ اس وقت بنا جب دوسرا ہرم تیار ہو چکا تھا ...... اس مجسّمے کو ہرم اور اس میں پوشیدہ خزانے کے محافظ کے طور پر بنایا گیا تھا۔ سورج دیوتا کی حیثیت سے اس کی پوجا بھی کی جاتی تھی۔ اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی صورت کافی بگڑ چکی ہے۔ داڑھی اور ناک ٹوٹ چکی ہے اور اس کا وہ ''پُروقار تبسم'' بھی ناپید ہو چکا ہے' جس کا ذکر قدیم سیاحوں نے کیا تھا۔ اب یہ ہیبت ناک منظر پیش کرتا ہے۔ اسی وجہ سے عربوں نے اس کا نام ابوالہول یعنی خوف کا باپ رکھ دیا ہے۔

ہاں تو شہزادہ ابوالہول کی ٹھوڑی کے نیچے سویا ہوا تھا...... ٹھوڑی کے نیچے کیوں ؟...... وہ اس لئے کہ مجسّمے کا باقی پورا جسم تو ریت میں دبا ہوا تھا۔ بس ایک سر ہی تھا جو ریت کے ٹیلے پر رکھا نظر آرہا تھا ...... تو جب شہزادہ سو رہا تھا تو اس نے ایک خواب دیکھا ...... اس نے دیکھا کہ سورج دیوتا اس کے پاس آیا اور یہ بشارت دی کہ تھامس ایک دن بادشاہ (فرعون) بنے گا ...... لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے ...... اور وہ یہ کہ پہلے شہزادہ دیوتا کے مجسّمے کو ریت سے نجات دلائے ...... بتایئے دیوتا اپنے آپ کو مٹی سے نکالنے کے لئے دوسروں کا محتاج ہے۔ بھلا جو خود دوسروں کا محتاج ہو' وہ کسی کی کیا مدد کر سکتا ہے...... اور جو مدد نہ کر سکے ...... جو مشکل میں کام نہ آسکے ...... اس کی پوجا کرنے کا فائدہ ؟...... پوجا تو ایسی ہستی کی کرنی چاہئے جو ہر جگہ' ہر وقت' ہر کسی کی مدد کر سکتی ہو...... اور وہ واحد ہستی ہے اللہ میاں کی۔

خیر تو صاحب ...... خواب دیکھ کر شہزادہ جاگا ...... اس نے بت کو ریت سے نکالا اور اس پر خوب رنگ و روغن کر دیا۔ یہ شہزادہ بعد میں بادشاہ بھی بنا...... وہ تو بننا ہی تھا ...... کیونکہ شہزادے ہی بادشاہ بنتے ہیں۔ غریب آدمی تھوڑی بادشاہ بنتا ہے۔

وقت گزرتا رہا اور ۱۹۹۳ء کا سال آگیا۔ اسی ابوالہول پر' جسے مدتوں پہلے شہزادہ تھامس نے پینٹ کیا تھا' دوبارہ مسالہ چڑھایا جا رہا ہے۔ اور

ملاقاتی

ایک دن باجی، احسن بھائی اور میں اپنا اپنا ہوم ورک کر رہے تھے کہ شریر آصف نے آکر اطلاع دی کہ باہر آپ لوگوں سے کوئی ملنے آیا ہے۔ ہم لوگ لپک کر باہر گئے تو وہاں صحن میں ایک گدھے کو کھڑا پایا۔ جو پتہ نہیں کہاں سے گھومتے پھرتے یہاں تک پہنچ گیا تھا ابھی ہم گدھے کی موجودگی پر غور کر ہی رہے تھے کہ پیچھے سے قہقہوں کی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھا تو مجاہد اور عاطف کھڑے خوب ہنس رہے تھے۔ نہ پوچھئے اس شرارت پر ہماری کیا حالت ہوئی۔

منظر میں تین بچے اور ایک بزرگ موجود ہیں۔ سب خوش ہیں...... لگتا ہے مزے مزے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ آیئے ہم بھی سنتے ہیں۔

"سنگ تراش آج بھی وہیں کھڑا ہے جہاں صدیوں پہلے تھا۔" یہ دس سالہ طارق کی آواز ہے۔ "وہی کام ...... ٹھک ٹھک ٹھک پتھر کاٹنا"۔

"ہاں یہ تو ہے"۔ آدم حنان نے کہا۔ آدم ماہر سنگ تراش بھی ہے اور ماہرِ آثارِ قدیمہ بھی۔ "ہمیں لگتا ہے ...... جیسے ہم صدیوں پہلے کے سنگتراشوں کے شانہ بشانہ کام کر رہے ہیں"۔

"لیکن ایک واضح فرق تو ہے ...... قدیم ہنر مندوں اور آج کے کاریگروں میں۔" تیرہ سالہ وسیم بولا۔ "اور وہ یہ کہ ہمارا کام اتنا پائیدار نہیں ہوتا جتنا ان کا"۔

"وہ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ ہم ایسا کلر کر ہی نہیں سکتے جو صدیوں تک قائم رہے ...... مگر شہزادہ تھامس نے ایسا رنگ کیا کہ بعد میں مدتوں کسی نے پینٹ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی"۔ شہناز نے کہا جس کی عمر گیارہ سال تھی۔

"شاید اس لئے بھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ کسی نے فرعون بننے کا خواب نہیں دیکھا"۔ طارق کی بات پر سبھی مسکرائے۔

"لیکن مجسمے کے قدموں میں کھڑے ہو کر مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے میں ایک ملکہ ہوں"۔ شہناز چہکی۔

"خیر تمہاری کیا بات ہے ...... تم تو ویسے بھی 'فرعونن' ہو۔"

طارق نے کہا اور فوراً اپنی جگہ سے ہٹ گیا...... وہ نہ ہٹتا تو شہناز کا چانٹا ضرور اس کے گال کی خبر لے لیتا۔

اعلان

جون ۱۹۹۶ء کے شمارے میں شائع ہونے والی تحریروں "چاند کا حیرت انگیز سفر" اور "ایک تھے منے میاں" کے مصنفین جناب محمد رئیس انصاری اور جناب ایم عاطف احمد۔ براہِ کرم اپنے مکمل پتے ارسال فرمائیں تاکہ انہیں اعزازیے کی ترسیل ہو سکے۔
(ادارہ)

چڑیا گھر

پروفیسر عنایت علی خان

چڑیا گھر میں آؤ بچو / آ کر لطف اٹھاؤ بچو
اس پنجرے کے اندر دیکھو / کود رہے ہیں بندر دیکھو
وہ دیکھو اک ریچھ کھڑا ہے / منہ کو کھولے ہانپ رہا ہے
دیکھو اس کے پاس نہ جانا / جنگلے کو مت ہاتھ لگانا
یہ خرگوشوں کا جنگلا ہے / ہرنوں کا وہ غول کھڑا ہے
کچھ تو چارا سونگھ رہے ہیں / کچھ بیٹھے بس اونگھ رہے ہیں
یہ طوطے امریکہ کے ہیں / وہ لنگور افریقہ کے ہیں
زیبرا اور زرّافہ دیکھو / گیدڑ دیکھو چیتا دیکھو
سونڈ ہلاتا ہاتھی دیکھو / دور کھڑے سب ساتھی دیکھو
وہ ایک شیر ببر ہے دیکھو / اور یہ مچھلی گھر ہے دیکھو
مچھلی کیسے تیر رہی ہے / کیسے دُم کو پھیر رہی ہے
ریشم جیسی جھالر اس کی / آنکھیں بالکل ہیرے جیسی
اور دیکھو یہ سانپ کا گھر ہے / پاس آجاؤ کاہے کا ڈر ہے
اور دیکھو یہ اُود بلاؤ / اس کو اپنے پاس بلاؤ
مصنوعی یہ جھیل بھی دیکھو / جل کوّے اور ٹیل[1] بھی دیکھو
غوطے کھاتی بطخیں دیکھو / کرتی ہیں سب قیں قیں دیکھو
وہ سرخاب اور سارس دیکھو / پتھر مت مارو بس دیکھو
چڑیا گھر کی جھیل بڑی ہے / ناؤ بھی اک اس میں پڑی ہے
کچھوے بھی اس میں پلتے ہیں / آؤ چلو اب گھر چلتے ہیں

---

[1] چھوٹی مرغابی

بوڑم بادشاہ

منیر احمد راشد

عقل ایک بکری تھی اور بوڑم ایک گدھا۔ دونوں سرکس میں کام کرتے تھے۔ عقل کا کام شیر کے ساتھ ایک ہی گھاٹ پر پانی پینا، چوکیوں سے بنے مینار پر چوکی بہ چوکی چڑھنا اور سرکس کے مین ہال میں تنی رسی پر توازن قائم رکھتے ہوئے چل کر ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانا تھا۔ یہ سارے ہنر اس نے چند ہی مہینوں میں سیکھ لئے تھے۔ اس لئے اس کے استاد نے اس کا نام عقل مند بکری رکھ دیا تھا۔ ...... لیکن لوگ پیار سے اسے صرف عقل کہتے تھے۔ ...... بوڑم کا کام صرف بوجھ ڈھونا تھا۔

عقل اور بوڑم کے کھونٹے پاس پاس ہی تھے ...... اس لئے دونوں میں کچھ دوستی سی ہو گئی تھی۔ عقل چونکہ چالاک تھی ...... اور تھوڑی سی مغرور بھی ...... اس لئے اکثر بوڑم کا مذاق اڑاتی رہتی۔ حالانکہ دوستوں کا مذاق اڑانا تو کوئی اچھی بات نہیں

ہوتی۔ وہ کہتی۔

بوڑم بھائی بوڑم بھائی
عقل تمہاری لے گیا نائی

بوڑم کو دکھ تو ہوتا لیکن وہ ہنس کر بات کو ٹال جاتا..... اس نے کہیں سے سن لیا تھا کہ دوستی ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا نام ہے...... عقل مند بکری اس کی دوست تھی اس لئے وہ اس کی بات برداشت کر لیتا تھا۔

ایک مرتبہ جب دریا کے کنارے والی بستی میں سرکس لگا تو رات کو سیلاب آگیا۔ ساری بستی اور پورا سرکس پانی میں ڈوب گیا۔ انسان اور جانور اپنی جانیں بچانے کے لئے ادھر ادھر بھاگے۔ عقل اور بوڑم بھی ڈبکیاں کھاتے، تیرتے بستی میں جا پہنچے۔ اور ایک مکان کی چھت پر جا ٹکے۔ یہ رات انہوں نے وہیں گزاری۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ وہ ایک رنگریز کا گھر تھا۔ عام دنوں میں وہ کپڑا رنگتا تھا لیکن آج یہ دونوں جانور اس کے رنگ میں رنگے گئے تھے۔

بوڑم کے جسم پر لال پیلی نیلی کالی دھاریاں سی بن گئی تھیں۔ اور وہ گدھے کے بجائے مریخ کی مخلوق لگ رہا تھا۔ بکری تو پہلے ہی کالی تھی...... اب اور کالی ہو گئی۔ البتہ غور سے دیکھنے پر لگتا تھا کہ کالے رنگ پر کچھ اور رنگ بھی چمک رہے ہیں۔

دو دن بعد سیلاب کا پانی اترا تو عقل اور بوڑم جنگل کی طرف چل دیئے۔ ان کا ارادہ دوبارہ سرکس میں جانے کا نہیں تھا۔ اب وہ آزاد زندگی گزارنا چاہتے تھے۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں جنگل کا بادشاہ شیر سو رہا تھا۔ شیر کو دیکھ کر بوڑم کی تو جان ہی نکل گئی۔ بولا۔

عقل بہن یہ مشکل کیسی
ہے آفت میں جان ہماری
سامنے ہے جنگل کا راجا
بن جائیں نہ اس کا کھاجا
خوف سے میرا دل گھبرائے
جان بدن سے نکلی جائے
اس سے پہلے کہ وہ جاگے
اور ہمارے پیچھے بھاگے
جلدی سے یہ کام کریں ہم
بھاگ چلیں ہم بھاگ چلیں ہم

پہلے تو عقل مند بکری بھی شیر کو دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ لیکن سرکس میں شیر کے ساتھ رہ رہ کر وہ تھوڑی سے بہادر ہو گئی تھی اور چالاک وہ تھی ہی...... جلد ہی اس نے انداز لگالیا کر شیر سویا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ مر چکا ہے۔ اب مرے ہوئے شیر سے بھلا کیا ڈرنا۔ بوڑم کی بات سن کر اس نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

بوڑم بھائی بوڑم بھائی
عقل تمہاری لے گیا نائی
بوڑم بھی ہو بزدل بھی ہو
عقل سے بالکل پیدل بھی ہو

مُردہ شیر سے ڈرتے ہو تم
کیسی باتیں کرتے ہو تم
جنگل میں جو رہنا چاہو
دل سے پہلے خوف نکالو
خوف سے نہ یوں زرد پڑو تم
مرد بنو تم مرد بنو تم

بکری کی بات سن کر بوژم ایک دم شرمندہ ہو گیا۔ بزدل کے حصہ میں ہمیشہ شرمندگی ہی آتی ہے۔ خیر اب ہمت کر کے دونوں آگے بڑھے اور شیر کے پاس جا پہنچے۔ اس کی گردن پر بڑا سا زخم تھا ...... شاید کسی شکاری نے اسے گولی ماری تھی ...... یا کسی درندے سے لڑتے ہوئے وہ زخمی ہوا تھا۔ بہر حال اب وہ مر چکا تھا۔ اور اس سے ڈرنے کی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ جو مر جاتا ہے وہ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ فائدہ۔

عقل اور بوژم شیر کی لاش پر کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ ادھر سے ایک چیتے کا گزر ہوا۔ وہ دو دن سے بھوکا تھا اور اب شکار کی تلاش میں نکلا تھا۔ بکری کی آواز سن کر وہ رک گیا۔ دل میں خوش ہوا کہ چلو جلدی ہی شکار مل گیا۔ شکار کو سامنے دیکھ کر بھوک بھی بھڑک اٹھی۔ منہ میں پانی بھر آیا اور وہ جھاڑیوں کی آڑ لیتا دبے قدموں اس طرف بڑھنے لگا۔ حالانکہ وہ بہت آہستہ آہستہ چل رہا تھا لیکن نجانے کیسے عقل مند بکری نے اس کی آہٹ محسوس کر لی۔ اور جب چیتا اس سے قریب ایک جھاڑی میں آکر چھپا تو بکری نے اس دیکھ لیا۔ چیتا ایک دم اس پر حملہ کر دیتا لیکن وہاں شیر کی لاش اور ایک عجیب و غریب مخلوق کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ عقل مند بکری نے دیکھا کہ اب بھاگنے سے بھی جان نہیں بچے گی تو اس کے چالاک ذہن نے تیزی سے ایک منصوبہ بنایا۔ اور اس نے فوراً ہی منصوبے پر عمل شروع کر دیا۔

"بادشاہ حضور!" اس نے بوژم کو آنکھ ماری اور اس کے سامنے ادب سے جھکتے ہوئے کہا۔ "اس ظالم شیر کو تو آپ نے ختم کر دیا...... اس سے تو ہم کمزور جانوروں کی جان چھوٹ گئی...... لیکن ابھی ایک ظالم چیتا اس جنگل میں موجود ہے ...... آپ اس سے بھی ہماری جان چھڑائیں۔"

بوژم بالکل گدھا بھی نہیں تھا۔ وہ عقل مند بکری کی بات کچھ کچھ سمجھ گیا۔ اور خوفناک لہجہ بنا کر بولا۔

"کہاں ہے وہ ظالم چیتا...... میں اسے ابھی ختم کر دوں گا۔"

"وہ یہیں کہیں چھپا ہو گا بادشاہ سلامت ...... آپ ضرور اسے جان سے مار دیں۔"

"ٹھیک ہے میں اسے ابھی پکڑتا ہوں۔"

یہ کہہ کر بوژم اکڑتا ہوا جھاڑیوں کی طرف بڑھا۔ اسے کیا پتا تھا کہ چیتا یہیں چھپا ہے...... وہ تو بکری کے کہنے سے ڈرامہ کر رہا تھا۔ چیتے نے جب بوژم کو اپنی طرف آتے دیکھا تو خوف سے اس کی چیخ نکل گئی۔ اور وہ چلاتا ہوا جھاڑی سے نکل کر جدھر سے آیا تھا اُدھر بھاگا۔ اُدھر چیتا چیخا......

اِدھر بوڑم دھاڑا۔ اور واپس بکری کی طرف بھاگا۔ وہ چلّاتا جاتا اور ہوا میں دولتیاں جھاڑتا جاتا...... جیسے چیتے کو اپنے پیچھے سے ہٹانا چاہتا ہو۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر عقل کے قہقہے ابل پڑے ...... اور وہ ہنستے ہنستے پیٹ پکڑ کر دوہری ہو گئی۔ بوڑم کو جب اصل صورت حال کا پتا چلا تو وہ پھر شرمندہ ہوا۔

خیر اس ڈرامے کا یہ فائدہ ہوا کہ ان کی جان بچ گئی۔ اور انہیں اس بات کا بھی اندازہ ہوا کہ اگر جنگل میں رہنا ہے تو اس ڈرامے کو جاری رکھنا ہو گا۔ وہ دونوں مزے سے گھاس کھاتے جنگل میں اندر کی جانب چلے۔

"جنگل میں کوئی نئی مخلوق آ گئی ہے ...... اس نے شیر کو قتل کر دیا ہے اور اب دوسرے درندوں کی تلاش میں ہے۔" چیتے کی دی ہوئی یہ خبر پورے جنگل میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ چھوٹے بڑے سبھی جانور ڈر گئے اور ڈر کے مارے اپنے گھروں میں دبک گئے۔ سارے جنگل پر خوف وہراس کی فضا چھا گئی۔ یہ فضا عقل اور بوڑم کے لئے ساز گار تھی۔ وہ مزے سے چلتے ہوئے شیر کی کچھار میں پہنچ گئے۔ یہ کچھار اب خالی تھی۔ بوڑم بادشاہ نے اسے اپنا محل بنالیا اور پورے جنگل میں اعلان کرا دیا کہ اگلے دن تمام جانور اس کے سامنے حاضر ہوں۔ جو نہیں آئے گا، اسے سزا ملے گی۔ اگلے دن سبھی جانور بادشاہ کے محل کے سامنے جمع ہو گئے۔ بوڑم بادشاہ نے ان کے سامنے عقل کی بتائی ہوئی تقریر کی۔ اس نے کہا

"بھائیو اور دوستو!

اب جنگل کا نظام بدل چکا ہے۔ ظالم شیر کو ہم نے قتل کر دیا ہے۔ دوسرے درندوں کو بھی خبر دار کیا جاتا ہے کہ وہ کوئی ظالمانہ کام نہ کریں ورنہ ان سے سختی سے نمٹا جائے گا۔ جنگل کا نظام چلانے کے لئے عقل کو ہم نے اپنا مشیر بنایا ہے۔ اب یہاں وہی ہو گا جو ہم چاہیں گے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ یہاں امن رہے۔ سکون رہے۔ جنگل کی فضا پہلے سے بہتر ہو۔ جنگل کی فضا بہتر بنانے کے لئے ہمیں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ اس لئے سب جانوروں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ہر روز کام پر جانے سے پہلے ہمارا درشن ضرور کریں۔ اور شام کو ہر جانور ہمارے حصے کا کھانا ہمارے محل پہنچا جائے۔ اب آپ سب جا سکتے ہیں۔"

بوڑم کی تقریر سن کر کچھ لوگ خوش ہوئے، کچھ ناخوش۔ خوش تو وہ ہوئے جنہیں ظالم درندوں کا خوف رہتا تھا۔ اور ناخوش وہ ہوئے جنہیں خوراک کم ملتی تھی۔ ان کا اپنا پیٹ مشکل سے بھرتا تھا وہ بھلا بادشاہ کے لئے کہاں سے کھانا لاتے۔ سب سے زیادہ ناخوش لومڑی تھی۔ ایک تو اسے بوڑم بادشاہ کی شکل پسند نہیں آئی تھی ...... بالکل گدھے جیسی ...... اور دوسری بات یہ تھی کہ اس کی کرسی چھن گئی تھی جب شیر زندہ تھا تو لومڑی اس کی مشیر تھی لیکن اب ایک بکری بادشاہ کی مشیر تھی۔ اسے بڑی شدت سے اپنی ہتک کا احساس ہوا۔ اس نے اسی وقت بادشاہ سے انتقام لینے کا فیصلہ کر

لیا۔

اگلے دن سب جانور صبح ہی صبح بادشاہ کے درشن کے لئے پہنچ گئے۔ مگر بادشاہ سلامت تو سوئے ہوئے تھے۔ عقل نے انہیں جگانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ جاگے۔ لگتا تھا گھوڑے بیچ کر سوئے ہیں۔ بالآخر عقل نے عقل مندی کا مظاہرہ کیا اور جانوروں کو بتایا کہ بادشاہ سلامت رات بھر جنگل کا پہرہ دیتے دیتے تھک گئے تھے۔ اس لئے آج درشن نہیں کرائیں گے۔ سب جانور جائیں لیکن کل ضرور آئیں۔ سب جانور چلے گئے۔ لیکن اگلے دن بھی ایسا ہی ہوا...... پھر ہر روز یہی ہونے لگا۔ عقل نے بوڑم کو بہت سمجھایا کہ وہ صبح سویرے اٹھا کرے۔ کیونکہ اگر بادشاہ ہی قانون کی پابندی نہیں کرے گا تو عوام کیسے کریں گے۔ لیکن یہ بات بوڑم کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ایک تو وہ تھا ہی گدھا...... دوسرے مفت کا مال کھا کھا کر اس کی عقل اور بھی موٹی ہو گئی تھی۔ پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ جانوروں نے بھی قانون شکنی شروع کر دی اور جنگل کا نظام بگڑ گیا۔ درندوں نے درندگی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ مظلوم جانور خوف زدہ رہنے لگے۔ ایک دو بار بادشاہ سے شکایت بھی کی گئی تو اس نے صرف یہ دھمکی دینے پر اکتفا کیا کہ "درندوں سے سختی سے نمٹا جائے گا۔"

ایسی بدامنی اور انتشار کا فائدہ اٹھا کر لومڑی نے اپنا انتقام لینے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے چیتے اور ریچھ کو اپنے ساتھ ملایا اور انہیں یقین دلایا کہ بوڑم دراصل ایک گدھا ہے۔ جس کا کسی طرح رنگ بدل گیا ہے۔ دونوں بوڑم سے خوفزدہ تھے خصوصاً چیتا...... اس نے خود بوڑم کو شیر کی لاش کے ساتھ دیکھا تھا۔ لیکن لومڑی نے کہا کہ ہو سکتا ہے شیر اتفاقاً مر گیا ہو کیونکہ چیتے نے انہیں لڑتے ہوئے تو نہیں دیکھا تھا۔ اس طرح لومڑی کے ہمت بندھانے پر وہ اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ انہوں نے منصوبہ بنایا کہ وہ کسی ایسے وقت بوڑم کے پاس جائیں گے جب عقل وہاں نہیں ہوگی۔ کیونکہ لومڑی جانتی تھی کہ یہ بکری واقعی عقل مند ہے۔ اور اس نے ایک گدھے کو جنگل کا بادشاہ بنا دیا ہے۔

پھر ایک دن جب سب جانور اپنے اپنے کام پر چلے گئے حتیٰ کہ عقل بھی ناشتے کے لئے روانہ ہو گئی تو یہ تینوں بادشاہ کے محل میں پہنچے۔ وہاں ہر طرف مختلف طرح کے کھانے پڑے تھے۔ گھاس پھونس اور گوشت۔ عقل چاہتی تو یہیں ناشتا کر سکتی تھی لیکن اسے تازہ گھاس زیادہ اچھی لگتی تھی۔

لومڑی نے باہر سے ہی بادشاہ کو آواز دی۔ مگر وہ نہ جاگا۔ پھر چیتا چیخا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ باہر آیا اس پر ابھی تک نیند کا غلبہ تھا...... اور وہ کچھ خوف زدہ بھی تھا۔ لیکن جب تینوں نے جھک کر اسے سلام کیا اور بادشاہ سلامت کہا تو اس کا خوف ختم ہو گیا۔ مگر نیند بدستور رہی۔

لومڑی نے بادشاہ کو نیند سے جگانے کی معافی

مانگی اور بتایا کہ دراصل ان تینوں میں شرط لگی ہے اور کچھ سوال ہیں جن کا انہیں جواب نہیں مل رہا ...... چونکہ بوڑم ان کا بادشاہ ہے اور سب سے عقلمند بھی اس لئے وہ اپنے مسئلہ کا حل پوچھنے اس کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ اپنی تعریف سن کر بوڑم پھول گیا۔ کہنے لگا۔

اچھا اچھا باتیں چھوڑو
پوچھنا ہے جو جلدی پوچھو

لومڑی نے جھینپتے ہوئے پہلا سوال پوچھا۔

اک مشکل یہ آن پڑی ہے
عقل بڑی کہ بھینس بڑی ہے

بوڑم بے چارہ ٹھہرا گدھا...... وہ سمجھا کہ عقل سے مراد عقل مند بکری ہے ...... اور بکری اور بھینس کا کیا مقابلہ۔ اس نے لومڑی کی طرف یوں دیکھا جیسا اس کے احمقانہ سوال پر اسے افسوس ہوا ہو۔ ذرا تیز لہجے میں بولا۔

لومڑی بی! ہو ایک ہی جاہل
یہ مشکل بھی ہے کوئی مشکل
کھوپڑی میں کیا بھنگ چڑھی ہے
صاف ہے ظاہر، بھینس بڑی ہے

بوڑم کے جواب پر ریچھ اور چیتے کو بہت حیرت ہوئی۔ لیکن لومڑی نے شرمندہ ہونے کی اداکاری کی۔ جیسے اسے اپنی حماقت کا احساس ہو گیا ہو۔ شرمندہ شرمندہ سے لہجے میں دوسرا سوال پوچھا۔

کچھ ہیں قول اقوال پرانے
کہتے ہیں یہ بات سیانے
جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے
اب کیا حکم ارشاد ہوتا ہے

بوڑم کو غصہ آ گیا وہ سمجھا کہ یہ اس پر طنز کیا جا رہا ہے منہ بنا کر کہنے لگا۔

جو یہ باتیں کہتے ہیں
کس دنیا میں رہتے ہیں
یاں تو سب ہی سوتے ہیں
پھر کیا سب ہی "کھوتے" ہیں؟

ریچھ اور چیتا مزید حیران ہوئے۔ مگر لومڑی نے واہ واہ کا شور مچا دیا، جیسے بوڑم نے بہت عقل کی بات کی ہو۔ واہ واہ کرتے ہوئے تیسرا سوال پوچھا۔

جانوروں سے ہے یہ سنا
بھونڈی شکل کا ایک گدھا
عقل کے پیچھے لٹھ لے کر
پھرتا رہتا ہے اکثر

بوڑم کچھ جاگا کچھ سویا ہوا تھا۔ جب اس نے یہ سنا کہ گدھا عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتا ہے تو وہ سمجھا کہ یہ اس کی اور بکری کی بات ہو رہی ہے۔ جھٹ بولا۔

جھوٹا ہے جو کہتا ہے
وہ نشے میں رہتا ہے
یہ جو عقل ہے اچھی سی
دوست ہے میری بچپن کی
میں تو اس کو چوموں گا
لٹھ لے کر کیوں گھوموں گا؟

اب توان تینوں کو بالکل یقین ہو گیا کہ بوژم سچ مچ کا گدھا ہے۔ ریچھ اور چیتے کو غصہ آنے لگا کہ ایک گدھے نے ان کو بے وقوف بنا دیا۔ وہ بوژم پر حملہ کرنے ہی والے تھے کہ لومڑی نے آنکھ کے اشارے سے انہیں روکا اور بکری کے بارے میں پوچھا تاکہ ایک ہی بار دونوں کا کام تمام کر دیا جائے۔

راجہ جی گستاخی معاف
کر دیں میری الجھن صاف
نظر مجھ جو آئی نہیں
گئی ہے آپ کی عقل کہیں؟

بوژم نے اِدھر اُدھر دیکھا بکری کو نہ پا کر سمجھ گیا کہ وہ ناشتا کرنے گئی ہوئی ہے۔کہنے لگا۔

عقل نہیں جو میرے پاس
شاید چرنے گئی ہے گھاس

عین اسی وقت بکری بھی واپس آ گئی۔ ریچھ اور چیتے نے ان پر حملہ کر دیا۔ وہ توانہیں جان سے ہی مار ڈالتے ۔ مگر لومڑی نے انہیں منع کیا۔ اور بوژم سے تمام حالات پوچھے۔ بوژم کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا بھید کھل چکا ہے۔ اس لئے اس نے تمام باتیں سچ سچ بتا دیں۔ بوژم کی باتیں سننے کے بعد لومڑی نے کہا۔

"گو کہ تم نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا...... لیکن پھر بھی ہم تمہیں معاف کرتے ہیں ...... کیونکہ تم ہمارے مہمان بھی ہو اور عقل مند بھی۔ اور ہم عقل مندوں کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ لیکن آئندہ کسی کو دھوکا مت دینا۔"

عقل اور بوژم نے آئندہ کسی کو دھوکا دینے سے توبہ کی اور مستقل اسی جنگل میں رہنے لگے۔

ذرا اپنے کپڑوں کو تو دیکھئے

ابصار احمد کھتری

ارے ...... ارے ...... آپ تو گھبرا گئے، گھبرائیے نہیں ہمارا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ کے کپڑے گندے ہیں اور نہ ہی ہماری کبھی یہ ہمت ہو سکتی ہے کہ ہم آپ کے کپڑوں پر تنقید کریں۔ دراصل ہمارا مقصد آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا آپ نے اپنے کپڑوں کا انتخاب صحت کے اصولوں کے مطابق کیا ہے؟ آپ سوچیں گے کہ بھلا کپڑوں کے معاملے صحت کے اصولوں کا کیا کام؟ ایسا ہرگز نہیں، اگر آپ نے لاپرواہی سے کام لیا تو آپ کا یہی "کپڑا" آپ کو ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں میں "پکڑا" سکتا ہے۔ اس لئے آیئے ہم آپ کو کپڑوں کے بارے میں کچھ بتاتے ہیں۔

کپڑے یا لباس پہننے کا سب سے اہم مقصد

اپنے جسم کو موسمی اثرات سے محفوظ رکھنا اور جسم کی حرارت کو برقرار رکھنا ہے۔ آپ جب بھی کپڑوں کا انتخاب کریں تو مندرجہ ذیل باتیں ضرور ذہن میں رکھیں۔

۱) موسم سرما میں کپڑے خاصے موٹے اور اپنے اندر حرارت برقرار رکھنے کی صلاحیت رکھنے والے ہوں۔ اس مقصد کے لئے اونی کپڑے زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔

۲) گرمی کے دنوں میں کپڑے قدرے پتلے اور کچھ اس قسم کے ہوں جن میں حرارت برقرار نہ رہ سکے۔ اس مقصد کے لئے سوتی کپڑے زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ آپ کو یہ بھی پتا ہونا چاہئے کہ کپڑے کے رنگ کا بھی حرارت سے بہت گہرا واسطہ ہے۔ سردی میں گہرے رنگ کے کپڑے پہننے چاہئیں کیونکہ ان میں حرارت جذب کرنے کی خاصیت زیادہ ہوتی ہے جبکہ گرمی میں سفید یا ہلکے رنگ کے کپڑے پہننے چاہئیں کیونکہ وہ حرارت کو بہت کم جذب کرتے ہیں۔

یہ بات بھی بھولئے گا نہیں کہ تنگ کپڑے ہمارے جسم کے لئے نقصان دہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کے دباؤ سے ہمارے پھیپھڑے صحیح طور پر نہیں پھولتے جس کی وجہ سے ان میں آکسیجن بہت کم داخل ہوتی ہے نتیجتاً صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے دباؤ سے دوران خون اور پٹھوں کے عمل پر بھی خراب اثرات مرتب ہوتے ہیں اگر ان کا دباؤ پیٹ پر پڑتا ہے تو اس سے آنتوں اور معدے کی حرکات میں خلل پڑ سکتا ہے جس کی وجہ سے ہاضمے کے نظام میں بھی خرابیاں واقع ہو سکتی ہیں۔ کبھی بھی تنگ کالر والے کپڑے استعمال نہ کریں کیونکہ ان سے گردن میں دوران خون متاثر ہوتا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ کبھی بھی کچے رنگ والے کپڑے استعمال نہ کریں کیونکہ اکثر رنگ زہریلے مادے سے بنے ہوئے ہوتے ہیں جس سے آپ کی جلد متاثر ہو سکتی ہے۔

کپڑوں کی دھلائی اور صفائی کے لحاظ سے آپ کا لباس ایسے کپڑے کا بنا ہوا ہو جو آسانی سے صاف ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں موسم گرما میں کاٹن (Cotton) کے کپڑوں کو زیادہ ترجیح دی جاتی ہے۔ کپڑے سفید ہوں تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ ان میں لگے ہوئے میل کچیل کا آسانی سے پتا لگ جاتا ہے۔

بوڑھے یا وہ لوگ جو سردی کو برداشت نہیں کر سکتے یا جن کے پھیپھڑے کمزور ہیں ان کو ہمیشہ کپڑوں کے معاملے میں احتیاط برتنی چاہئے۔ بالکل چھوٹے بچوں کے کپڑوں پر بھی خصوصی توجہ دینی چاہئے کیونکہ ان کی جلد قدرے پتلی ہوتی ہے اور وہ اپنے جسم کی حرارت برقرار رکھنے میں کمزور ہوتے ہیں۔ ایسے بچوں کا لباس نرم، ہلکا، ڈھیلا اور گرم ہونا چاہئے۔

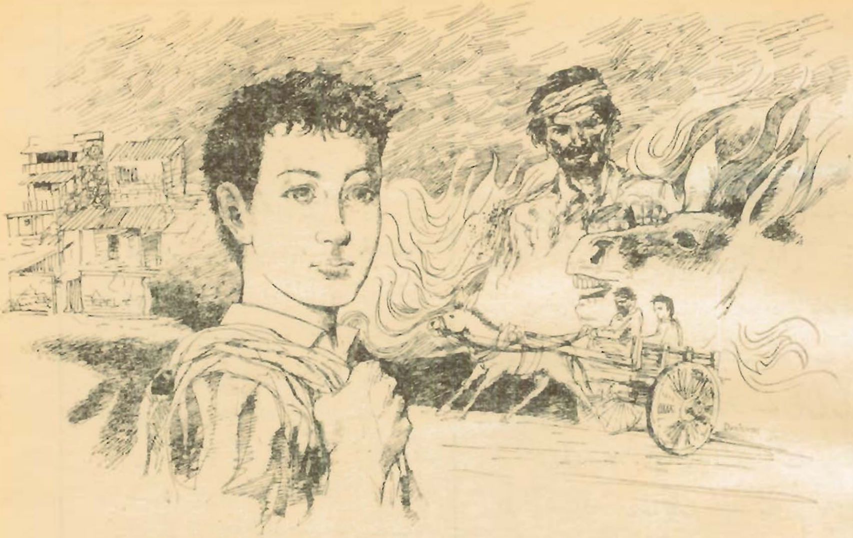

گلو اور پومی کی لڑائی

فرزانہ رُوحی

"اللہ کرے — پومی — مرجائے لیکن — اگر پومی مر گیا تو چاچا پھر دوسرا پومی پال لے گا۔ پھر تو — پومی نہ میرے بلکہ — بلکہ چاچا ہی مرجائے۔ آہا — کتنا مزہ آئے گا..... کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو گا اور میں نہ صرف پومی کے بچے کی دُم مروڑوں گا بلکہ خوب پٹائی بھی کیا کروں گا۔ بہت پیارا ہے یہ گدھا چاچا کو۔"

گلو نے غصے کے مارے مٹھی بھینچ لی۔

چاچا پومی پر ایسے جان چھڑکتا تھا جیسے وہ گدھا نہیں اسکا اکلوتا بیٹا ہو۔ چاچا پومی کے کھانے پینے اور آرام کا خاص خیال رکھتا۔ صبح سویرے اسے چنے کھلاتا، دوپہر کو لوسن ڈالتا اور کبھی تو جلیبیاں بھی کھلاتا۔ روزانہ دوپہر کو لوٹنیاں بھی لگواتا۔ آرام کیلئے بھی وقت دیتا۔ ایک بات کا چاچا خاص خیال رکھتا تھا۔ وہ یہ کہ ضرورت سے زیادہ بوجھ کبھی بھی گاڑی پر نہ لادتا۔ بھلے اس کا نقصان ہو جائے۔ چاچا گدھا گاڑی پر جب بیٹھتا تو لگام تھامتے ہی چلاتا، "چل بیٹا پومی، اللہ کے آسرے پر۔" تو

"مجسمۂ آزادی"

مجسمۂ آزادی کو ۱۸۸۶ء میں نیو یارک کی بندرگاہ پر نصب کیا گیا۔ یہ دریا کے بیچ میں ۱۲ ایکڑ رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ دراصل ہاتھ میں مشعل پکڑے ہوئے ایک عورت کا مجسمہ ہے جس کے دوسرے ہاتھ میں ایک تختی ہے جس پر امریکہ کا یوم آزادی ۴ جولائی ۱۷۷۶ء لکھا ہوا ہے۔ مجسمۂ آزادی تمام دنیا کے انسانوں کی آزادی کی علامت ہے۔ اس کی تنصیب کے لئے فرانسیسی عوام نے تحفہ کے طور پر ۲۵۰۰۰۰ ڈالر فراہم کئے تھے۔ مجسمہ آزادی کا ڈھانچہ اسٹیل کا بنا ہوا ہے۔ جسے فرانسیسی انجینئر گستاف ایفل نے ڈیزائن کیا تھا۔ مجسمۂ کانسی کی پلیٹوں سے بنایا گیا ہے جسے فریڈرک برتولڈی نے ڈیزائن کیا تھا۔ چبوترے سے لے کر مشعل کے بالائی سرے تک اس کی بلندی ۱۵۱ فٹ ہے۔ چبوترے سے سر تک ۱۶۱ سیڑھیاں جاتی ہیں۔ مجسمۂ آزادی کے نیچے ہی میوزیم بنا ہوا ہے جہاں شیشے کے چھوٹے چھوٹے کیبنوں میں وہاں کے مشہور سائنس دانوں کے مجسمے سجائے گئے ہیں۔

مرسلہ ..... محمد ظفر صدیقی حیدر آباد

حوالہ ..... معلوماتی کتابچہ گلدستہ معلومات

پومی سرپٹ دوڑنے لگتا جبکہ چاچا اسے جب بھی بلاتا کبھی بیٹا نہ کہتا بلکہ "اوئے! ابے او گلو" کہہ کر مخاطب کرتا۔ گلو کو اس بات کا شدت سے احساس تھا مگر وہ اپنے آپ کو سمجھالیتا۔ کبھی کبھی سوچتا، اگر چاچا پومی پر جان چھڑکتا ہے تو پومی بھی اس کے بے حد کام آتا ہے، اور ہر سال ریس میں اول آکر ہزار روپے انعام بھی دلواتا ہے۔ جبکہ وہ تو چاچا کے چھوٹے موٹے کام ہی کرتا تھا۔ گلو جب کبھی گاڑی پر بیٹھتا تو لاکھ منہ ٹیڑھا کر کے ٹخ ٹخ ٹخ ٹخ کرتا مگر پومی ـــ وہ تو بہرا بن جاتا اس پر گلو کی ٹخ ٹخ کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ اس کی چال سست رہتی۔ اکثر وہ اس کی دُم مروڑ دیتا مگر چاچا سے نظر بچاکر۔

پچھلے دنوں اس نے بالو کباڑی سے خالی پوڈر کا ڈبہ مانگ کر اس میں چھوٹے چھوٹے پتھر ڈال کر جھنجھنا بنایا لیکن استعمال سے پہلے ہی چاچا نے چھین کر نالے میں پھینک دیا۔ اور بولا۔ "اپنے پومی کو اس کی جرورت (ضرروت) نہیں یہ بڑا عکل (عقل) والا ہے۔ جھنجھنے کی ٹنن ٹنن سے نہ بہلے گا نہ ڈرے گا۔

لے جا اسے لوٹ لگوا کر لا۔ تاکہ اس میں پھرتی آئے ورنہ تیری طرح کاہل ہو جائے گا۔" چاچا نے اسے لگام پکڑاتے ہوئے حکم دیا۔

"اسے تو تو بہت پیار کرتا ہے پھر یہ مری طرح کیسے ہو جائے؟" اس نے زور سے چاچا کو مخاطب کر کے کہا۔

"ابے ــ ابے کیا بولا ـــ اوئے تو گدھے سے

مقابلہ کرتا ہے۔ ارے ہاہاہاہا۔ ابے ــ تُو تو انسان کا بچہ ہے۔ گدھے سے مقابلہ ــ ہاہاہاہا۔" چاچا اپنے ہی ہاتھ پر ہاتھ مار کر پاگلوں کی طرح ہنسنے لگا۔

"چاچا! میں انسان کا بچہ ہوں پھر بھی ــ پھر بھی تو مجھے پیار نہیں کرتا اور اس گدھے کو ــ گھٹنوں بیٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہتا ہے۔ باتیں کرتا ہے۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اور پھر جلدی سے آستین میں آنکھیں رگڑ کر گدھے کی لگام پکڑے وہ چل پڑا۔

اس دن چاچی بیمار تھی لہٰذا چاچا اسے اسپتال لے گیا جاتے ہوئے وہ گلو کو کام پر جانے کی ہدایت بھی کر گیا۔ اس دن تو مزہ آگیا۔ گلو نے درخت کی شاخ سے مار مار کر پومی کو خوب دوڑایا اور جب اس کی دُم مروڑی تو پومی نے دولتی جھاڑ دی۔

"ابے مجھے مارتا ہے مجھے!! آج چاچا نہیں میں تیرا مالک ہوں سمجھا۔" وہ گدھے کے سامنے کھڑا ہو کر ڈانٹنے کے انداز میں چلایا۔ پھر شاخ سے اس کی خوب پٹائی کی۔ نتیجتاً پومی بھاگ کھڑا ہوا۔ اور بڑی دور تک بھاگنے کے بعد مشکل سے ہاتھ آیا۔ شام کو گھر آکر جو اس نے ڈھینچو ڈھینچو شروع کی تو چاچا نے ہی سر پر ہاتھ پھیر پھیر کر چپ کرایا۔

"گلو! کیا کیا ہے تو نے مارا ہے کیا؟ چارہ دیا تھا دوپہر کو ؟" چاچا نے بیک وقت بہت سے سوالات کر ڈالے۔

"ہاں چاچا۔ چارہ بھی ڈالا تھا اور ڈول بھر کے پانی بھی پلایا ہے۔"

"پھر کیوں رو رہا ہے؟ اسے اور گھاس کھلا۔" چاچا نے حکم دیا۔

گلو نے اسے دوپہر کو پیٹ بھر کے کھلایا تھا۔ مگر پھر بھی وہ مزید چارہ جلدی جلدی کھا گیا جیسے گلو کو جھوٹا ثابت کرنا چاہ رہا تھا۔ حالانکہ وہ اپنے وقت پر کھانے کے بعد بہت کم چارے کو بلاوقت منہ لگاتا تھا۔

"کمبخت ــ مجھ سے جلتا ہے دشمنی کرتا ہے۔ بتاؤں گا پھر کبھی۔" گلو نے دانت کچکچاتے ہوئے اسے دھمکی دی۔

رات سے بارش مسلسل برسے جا رہی تھی۔ جس کی وجہ سے سردی میں اضافہ ہو گیا۔ کچی آبادی کی جھونپڑیوں اور کچے مکانات میں لگے ٹاٹ اور چٹائیوں کے پیوند ہوا سے یوں پھڑ پھڑا رہے تھے۔ جیسے چڑیلیں زور زور سے کپڑے جھاڑ رہی ہوں۔ چاچا پومی کو آنگن سے کھول کر کمرے میں لے آیا۔ چار پائی سے باندھ کر سردی سے بچانے کے لئے اس پر بوریاں ڈال دیں۔ پومی سر جھکائے خاموش بیٹھا ہوا تھا اور چاچا سر سے پاؤں تک کمبل تانے پڑا تھا۔ گلو نے اپنے سوئٹر کے علاوہ چاچی کی پھٹی چادر اوڑھ رکھی تھی اور جھلنگا چار پائی پر سکڑا پڑا تھا۔ ہواؤں کے شور اور بارش کی شدت سے اس کا دل دہل رہا تھا۔ یکایک ہواؤں کی شُوں شُوں میں اضافہ ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے بہت ساری چڑیلوں کو ایک ساتھ نزلے کی شکایت ہو گئی

ہو۔ خوف سے وہ اور سکڑ گیا اچانک بادل گرجے اور ایک خوفناک دھماکہ ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ پومی بھی چلانے لگا۔ پچھلے مکان کی چھت کی چادر اڑ کر ان پر آگری تھی۔

گلو کو کچھ یاد نہیں تھا کہ وہ ملبے کے نیچے سے کس طرح نکلا تھا کہ اسے صرف خراشیں آئی تھیں۔

پومی بھی خیریت سے تھا۔ لیکن چاچا —— چھت کی ایک اینٹ چاچا پر جانے کس طرح گری کہ وہ خاموشی سے لیٹے لیٹے ہی چل بسا۔ چند دنوں تک تو اسے چاچا کی موت کا یقین ہی نہیں آیا۔ چاچی نے گرم پانی سے ٹکور کر کے گلو کو جلد چلنے پھرنے کے قابل بنا دیا۔

جلد ہی زندگی معمول پر آگئی۔ وہ روزانہ گاڑی سمیت صبح سویرے کام پر روانہ ہو جاتا مگر پومی اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ وہ بے حد سست ہو گیا۔ اکثر اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے۔ چچا کے نہ ہونے سے پومی سوگوار ہو گیا تھا۔ اس کی سُستی سے تنگ آکر گلو اس کی دم مروڑنے کے علاوہ اس لگام کو اس قدر زور سے کھینچتا کہ اس کے ہونٹوں کے دونوں کنارے زخمی ہو گئے تھے۔ جن سے مکھیاں چمٹی رہتیں۔ اس کی دُم بھی اب بے دَم ہو گئی تھی۔ سارا دن وہ گاڑی کھینچتا مگر اس کی آمدنی سے چاچی مطمئن نہ تھی۔ اکثر اسے صلواتیں سناتی اور کام چور گردانتیں۔ اگر وہ کوئی جواب دیتا تو جھاڑو اٹھا کر خوب اچھی طرح اس کی مرمت کر دیتیں۔ ایسے موقع پر وہ چاچا کو شدت سے یاد کرتا۔ اگرچہ اس نے اسے کبھی پیار نہ کیا تھا مگر اس طرح مارا بھی تو نہیں تھا۔

خلافِ معمول آج وہ گھر سے نکل آیا اور قبرستان کی جانب گدھا گاڑی کا رخ موڑ دیا۔ کھلے قبرستان میں قبروں سے قدرے فاصلے پر اس نے پومی کو درخت سے باندھا اور خود چاچا کی قبر پر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔ شدت جذبات سے مغلوب ہو کر وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔ جی چاہ رہا تھا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر اتنا روئے کہ چاچا گھبرا کر قبر سے باہر نکل آئے۔ مگر —— ایسا ممکن تو نہیں تھا۔ اس نے چاچا کو مخاطب کرتے ہوئے قبر کی مٹی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "چاچا —— تو تو —— ہماری چھت تھا۔"

پھر وہ تقریباً دوڑتا ہوا قبرستان سے باہر نکلا اور پومی کی پیٹھ پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اعتذار

ستمبر ۹۴ء کے شمارے میں شائع ہونے والی نظم "آنکھ مچولی کے نام" کراچی کے جناب عابد انور کی تخلیق تھی۔ نظم کے ساتھ ان کا نام سہواً نہ چھپ سکا۔ ادارہ معذرت خواہ ہے

(ادارہ)

تحریر : قرۃ العین طاہر

سُرخ لومڑی

سیاہ کرتوت

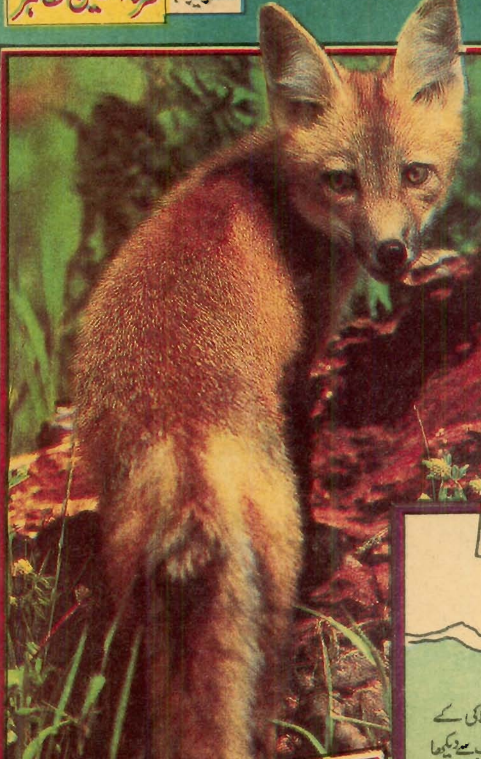

سرخ لومڑی اپنے شکار کو منہ میں دبائے اپنے بھٹ کی طرف رواں دواں ہے۔

لومڑی ایک چالاک جانور ہے۔ آپ نے اس کی چالاکی کے بہت سے قصے پڑھے ہوں گے۔ لیکن شاید آپ نے اسے قریب سے دیکھا نہ ہو۔ آپ بھلا اسے دیکھیں بھی کیسے، ذرا سی آہٹ پر تو اس کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ بھاگ کھڑی ہوتی ہے۔ یہ اتنی محتاط ہے کہ شکار بھی اندھیرے میں کرتی ہے۔ البتہ موسم بہار میں اسے دن کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے جب یہ غذا کی تلاش میں نکلتی ہے۔ تب اس کے کان بہت حساس ہو جاتے ہیں۔ ہلکی سی آہٹ سُن کر رک جاتی ہے اور اپنے شکار پر جھپٹ پڑتی ہے۔ خواہ اس کا شکار چوہے ہوں یا کوئی خرگوش تصویر میں نظر آنے والی لومڑی۔ سرخ لومڑی کہلاتی ہے اور امریکہ، کینیڈا آسٹریلیا، شمالی افریقہ، یورپ اور ایشیا میں پائی جاتی ہے اور اس کے کالے کرتوتوں پر اب تک بے شمار کہانیاں لکھی جا چکی ہیں۔ یقیناً ان میں سے کچھ کہانیاں آپ نے بھی پڑھ رکھی ہوں گی۔ ◄

سرخ لومڑیاں کبھی کبھار آپس میں لڑ بھی پڑتی ہیں۔

سرخ لومڑی کے بچے غذا کے انتظار میں

محمد عادل منہاج

آٹھواں عجوبہ

"بس میرا خیال ہے اتنی کھدائی کافی ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں سطح ہموار کر دوں۔"

یہ کہہ کر اس نوجوان نے گڑھے میں ہاتھ ڈالا اور برف نکال کر باہر پھینک دی۔ پھر وہ چونکا۔

"ارے! یہ ابھار سا کیسا ہے؟"

"کیسا ابھار؟" دوسرا نوجوان حیران ہو کر بولا۔

"یہ دیکھو۔ تہہ میں کوئی گول سی چیز ہے۔"

اس نے تہہ میں موجود ابھار پر انگلی سے کھٹ کھٹ کی۔

"ذرا اس کے اطراف سے کھدائی کرو۔" دوسرا الجھن کے عالم میں بولا۔

"پہلے نے جواب دیئے بغیر مزید کھدائی کی۔

"یہ یہ تو گنبد سا لگتا ہے۔"

"میں پروفیسر کو بلا کر لاتا ہوں۔" دوسرا بولا اور قریب موجود عمارت کی طرف دوڑ لگا دی۔

نگاہ برف کا میدان تھا۔ جابجا برفانی ٹیلے بھی نظر آرہے تھے۔ یہ دنیا کا ساتواں برِاعظم انٹارکٹیکا تھا۔ برفانی براعظم۔ یہاں دوسرے ملکوں کی طرح پاکستان کی تجربہ گاہ "جناح اسٹیشن" بھی واقع تھی۔ اس براعظم کو ساری دنیا کے سائنسدان ایک تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ تاہم یہاں کسی قسم کا ایٹمی تجربہ کرنے کی ممانعت تھی۔ صرف پرامن مقاصد کے لئے تجربات کئے جاسکتے تھے "جناح اسٹیشن" کے انچارج پروفیسر معید تھے۔ نعیم اور ریحان ان کے اسسٹنٹ تھے جو آج کسی نئے تجربے کے لئے برف میں چھوٹا سا گڑھا کھود رہے تھے جہاں ایک مشین فٹ کرنا تھی کہ انہیں گڑھے میں گنبد نما چیز نظر آئی تھی۔ اب پروفیسر ادھر آرہے تھے۔

"کیوں بھئی۔ کیا نظر آگیا تم لوگوں کو؟" وہ قریب آتے ہوئے بولے۔

"آپ خود دیکھ لیں سر۔" ریحان بولا۔

پروفیسر نے گڑھے میں جھانکا ایک لمبوتری سی چیز تہہ میں سے جھانک رہی تھی۔

"مزید کھدائی کرو ریحان۔" پروفیسر نے کہا اور وہ برفیلی زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے۔ ریحان اس گنبد کے چاروں طرف کھدائی کرنے لگا۔ لمبوترا سا گنبد برف سے نکلتا گیا۔ تینوں کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جارہی تھیں۔ گنبد کا پھیلاؤ بڑھتا جارہا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد گنبد کا پھیلاؤ کم ہونا شروع ہو گیا۔ گڑھا کافی گہرا ہو چکا تھا۔ اور پھر نعیم کی حیرت زدہ آواز سنائی دی۔

"اف خدایا! یہ تو بہت بڑا انڈا نظر آرہا ہے۔"

"واقعی۔ لگتا تو انڈا ہی ہے۔ مم...... مگر یہ اتنا بڑا دیو قامت انڈا یہاں انٹارکٹیکا کی برف میں کہاں سے آگیا؟" ریحان بھی حیرت سے بولا۔

"میں اپنی زندگی میں اتنا حیران کبھی نہیں ہوا۔ ذرا سوچو جب یہ انڈا اتنا بڑا ہے تو یہ انڈا دینے والا جانور یا پرندہ کتنا بڑا ہوگا ؟" پروفیسر انڈے کو گھورتے ہوئے بولے۔ "سنا ہے لاکھوں برس پہلے دنیا میں دیوقامت جانور اور پرندے ہوا کرتے تھے۔"

"ہاں مگر لاکھوں برس پہلے کے جانور کا انڈا یہاں کہاں سے آگیا۔" نعیم بولا۔

"ایسا ہونا ناممکن بھی نہیں نعیم۔ لاکھوں برس پہلے کی زمین آج کی زمین سے قطعی مختلف تھی اس وقت آج کی طرح دنیا سات براعظموں پر مشتمل نہ تھی۔ ہو سکتا ہے اس زمانے میں کسی دیوقامت جانور نے یہ انڈا دیا ہو۔ شاید یہ انڈا سمندر میں دیا ہوگا اور کسی طرح یہ بہتا ہوا اس علاقے میں آگیا اور وقت گزرنے کے ساتھ یہ سمندر برفیلا بن گیا۔ انڈا برف میں دبارہ گیا۔ پھر لاکھوں برسوں میں زمین میں تبدیلیاں آئیں اور براعظم بن گئے۔"

پروفیسر بولتے چلے گئے۔

"واقعی۔ اور یوں بھی برف میں کوئی چیز کبھی

بھی خراب نہیں ہوتی۔لہٰذا یہ انڈا بھی یقیناً لاکھوں برس پہلے کی طرح ترو تازہ ہو گا۔"

ریحان بولا۔

"نعیم ہمیں فوراً یہ انڈا اپنے ملک پہنچانا ہو گا۔ تم رابطہ قائم کرو۔"

O_O_O_O_O

نصیر اعجاز حیاتیات کے ڈاکٹر تھے۔ لاکھوں برس پیشتر فنا ہو جانے والے جانور ڈائنوسار وغیرہ ان کا خاص شعبہ تھا۔ انہوں نے مختلف مقامات سے ملنے والی ہڈیوں کو جوڑ کر ایک ڈائنورسار کا ڈھانچہ بھی بنایا تھا جو میوزیم میں رکھا تھا۔ انٹار کٹیکا سے ملنے والا جناتی انڈا ان کے حوالے کیا گیا تھا۔ انڈے کو دیکھ کر ان کے جسم میں بجلی سے دوڑ گئی تھی۔

"یہ انڈا یقیناً صدیوں پیشتر فنا ہونے والے دیو قامت جانوروں کے بارے میں ہماری معلومات میں اضافے کا سبب بنے گا۔" انہوں نے ائرپورٹ پر اخباری رپورٹروں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا۔

اس وقت وہ اپنی تجربہ گاہ میں موجود تھے کہ دروازہ دھڑ سے کھلا اور ان کا معاون محسن تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں چند ایکسرے اور چہرے پر جوش کے آثار تھے۔

"لگتا ہے کوئی بہت ہی خاص بات پتہ چلی ہے۔" ڈاکٹر نصیر مسکرائے۔

"یس سر۔ یہ اس انڈے کی ایکسرے رپورٹ ہے۔ اس انڈے میں ایک نیم مُردہ بچہ موجود ہے۔"

"کیا!!" ڈاکٹر اپنی سیٹ سے اچھل پڑے۔ انہوں نے محسن کے ہاتھ سے ایکسرے جھپٹ لیا اور حیرت سے پھیلتی آنکھوں کے ساتھ ایکسرے کو گھورنے لگے۔

"حیرت انگیز۔ لاکھوں سال پرانا انڈا ہی ایک عجوبہ تھا اور یہ۔ یہ تو آٹھواں عجوبہ ہو گیا۔صدیوں پرانے جانور کا بچہ۔" وہ بڑبڑائے۔

"سر لگتا ہے کہ جس جانور یا پرندے کا یہ انڈا ہے اس نے کافی عرصہ انڈے کو سیا تھا اور جب اس میں بچہ تقریباً بن چکا تو شاید کوئی آفت ٹوٹ پڑی یا وہ جانور ہلاک ہو گیا اور انڈا اسی حالت میں برف میں جم گیا اور۔ اور سر آپ جانتے ہیں برف میں کوئی چیز خراب نہیں ہوتی۔ خواہ لاکھوں سال گزر جائیں۔" محسن کا لہجہ ایکدم ہی عجیب سا ہو گیا۔ ڈاکٹر نصیر چونک اٹھے۔

"تت۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں سر،کہ لاکھوں سال تک یہ بچہ فریز حالت میں رہا ہے اگر اب اسے مصنوعی طریقے سے سیا جائے تو ہو سکتا ہے۔ یہ بچہ انڈا توڑ کر باہر نکل آئے۔

"ناممکن___ یہ نہیں ہو سکتا___!" ڈاکٹر نصیر اس کی بات سن کر حیران رہ گئے۔

"کیوں نہیں ہو سکتا___ آپ جانتے ہیں کہ آج کل جب کسی بیماری کا علاج نہیں ملتا تو مریض کو

اسی طرح فریز کر کے بے ہوش کر دیا جاتا ہے۔وہ تقریباً مردہ ہو جاتا ہے اور کئی سالوں تک اسی حالت میں رہتا ہے پھر سالوں بعد اس بیماری کا علاج دریافت ہوتا ہے تو اسے دوبارہ ہوش میں لاکر علاج کیا جاتا ہے۔"

"ہاں آج میڈیکل سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے کہ مریض کو کئی سالوں تک نیم بے ہوشی کی حالت میں رکھا جاسکتا ہے۔ مگر اس انڈے کو تو لاکھوں سال گزر چکے ہیں۔"

"سر چند سال ہوں یا لاکھوں سال، اصول تو ایک ہی رہے گا نا! میرا سوفیصد خیال ہے کہ اس انڈے میں موجود بچہ مرا نہیں بلکہ فریز رہا ہے۔ اسے دوبارہ زندہ کیا جاسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے محسن۔ ہم یہ تجربہ کئے لیتے ہیں۔"

اور پھر ڈاکٹر نصیر نے اس انڈے کو مصنوعی حرارت میں رکھا۔ جس طرح مرغی کے انڈے حرارت میں رکھے جاتے ہیں تو اکیس دن بعد چوزے نکل آتے ہیں۔ اسی طرح اس انڈے کو مصنوعی طریقے سے سیا جارہا تھا مگر انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ انڈا پہلے کتنے دن سیا جاچکا ہے اور اسے مزید کتنے دن سینا ہے۔ انہیں یہ بھی صحیح طریقے سے معلوم نہیں تھا کہ اسے کتنی حرارت دینی چاہئے یہ سارا اندازوں کا کھیل تھا۔

○ ○ ○ ○ ○

ناشتے سے فارغ ہو کر ڈاکٹر نصیر اپنی تجربہ گاہ میں آئے تو محسن وہاں موجود تھا۔ "سر میرا خیال ہے پہلے انڈے کا جائزہ لے لیں۔" وہ بولا۔

"تم تو کچھ زیادہ ہی بے چین ہو....آؤ۔"

ڈاکٹر نصیر مسکرائے اور وہ تجربہ گاہ کے پیچھے شیشے کے اس کمرے کی طرف چلے۔ جس میں انڈا رکھا تھا۔

"میرا خیال ہے اگر دو تین دن تک بھی......" ڈاکٹر کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ ان کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ آنکھیں اس حد تک پھیل چکی تھیں کہ اب مزید گنجائش نہیں رہی تھی۔ محسن کا دل بھی دھڑکنا بھول چکا تھا۔ سامنے ہی شیشے کا کمرا تھا جس کے بیچوں بیچ اسٹینڈ پر وہ انڈا رکھا گیا تھا مگر اب وہ انڈا دو ٹکڑوں کی صورت میں نیچے گرا پڑا تھا اور کمرے کے ایک کونے میں گوشت کا ایک ڈھیر پڑا تھا۔

پھر اس ڈھیر میں حرکت ہوئی۔ دو بازو ہوا میں بلند ہوئے اور لرزتے جسم کے ساتھ..... وہ کھڑا ہو گیا۔

عجوبہ ہو چکا تھا___ لاکھوں برس پرانا زمانہ اس شیشے کے کمرے میں سمٹ آیا تھا۔

"کیا ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہیں؟" ڈاکٹر نصیر بڑبڑائے۔

"نو سر___ یہ حقیقت ہے ..... لاکھوں سال پرانا یہ پرندہ ساری دنیا میں ہلچل مچا دے گا۔" جوش سے محسن کی آواز کانپ رہی تھی۔ وہ واقعی کسی پرندے کا بچہ تھا مگر اسے بچہ کون کہہ سکتا تھا

اس وقت بھی وہ شتر مرغ کے برابر نظر آرہا تھا صرف اس کا قد چھوٹا تھا مگر پھیلاؤ بے حد تھا اس کی چونچ بہت لمبی اور چوڑی تھی۔

پھر جیسے ڈاکٹر کو ہوش آگیا وہ واپس تجربہ گاہ کی طرف دوڑے اور جلدی جلدی فون کرنے لگے۔

پھر تو واقعی ساری دنیا میں ہلچل مچ گئی۔ ساری دنیا سے سائنس دان اور ڈاکٹر خصوصی طیارے سے اس جن نما بچے کو دیکھنے کے لئے آنے لگے۔ اسے تجربہ گاہ کے پیچھے ایک بہت بڑے جنگلے میں رکھا گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کے سامنے گوشت اور پھل وغیرہ ڈالے تو اس نے گوشت کی طرف دیکھا بھی نہیں اور پھلوں پر ٹوٹ پڑا یعنی وہ سبزی خور پرندہ تھا۔ اس کی خوراک نے ڈاکٹر کے ہوش اڑا دیئے۔ اس وقت بھی وہ تربوز کھانے میں مشغول تھا۔ اس کے بازوؤں اور جسم پر کہیں کہیں پر نظر آرہے تھے۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ دو تین دنوں میں اس کا پورا جسم پروں سے ڈھک جائے گا اور وہ مکمل پرندہ نظر آئے گا۔

کئی ملکوں کے سائنس دانوں نے اس پرندے پر تحقیق کرنے کے لئے یہیں ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ صبح صبح وہ سب ڈاکٹر نصیر کی تجربہ گاہ میں جمع ہو جاتے اور اپنے تجربوں میں مصروف ہو جاتے۔ چند دنوں میں وہ واقعی ایک بھرپور پرندہ بن چکا تھا اب تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھی خوف آتا تھا۔ تاہم اس پرندے نے ابھی تک شرافت کا ثبوت دیا تھا مگر آج وہ کچھ بے چین نظر آرہا تھا۔ جنگلے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا اور بار بار چلّا رہا تھا اس کی چیخ بھی بہت زور دار تھی۔

"آج اس کی طبیعت تو خراب نہیں؟" محسن بولا۔

"میرا خیال ہے یہ اکیلا ہونے کی وجہ سے پریشان ہے۔ یا پھر شاید اس ماحول میں ایڈجسٹ نہیں ہو پارہا۔ آخر یہ لاکھوں سال پرانے ماحول میں رہنے والے پرندے کی اولاد ہے۔ اس زمانے اور اس زمانے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔" ایک سائنس دان بولا۔

"ہاں مگر اب ہم وہ ماحول تو اسے فراہم کر نہیں سکتے۔"

"حضرات آیئے پہلے کھانا کھالیں پھر دیکھیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں...... محسن تم اسے کچھ پھل اور ڈال دو۔" ڈاکٹر نصیر بولے۔

محسن نے مختلف پھل اور درختوں کی شاخیں ٹرالی میں رکھیں اور ٹرالی لے کر جنگلے کے قریب آیا۔ تالا کھولا اور ٹرالی اندر الٹ دی۔ اس کا خیال تھا کہ روز کی طرح آج بھی وہ پھلوں پر ٹوٹ پڑے گا۔ مگر نجانے کیا ہوا۔ پرندہ تیزی سے کھلے دروازے کی طرف دوڑا۔ محسن اسے اپنی طرف دوڑتا دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس نے تیزی سے دروازہ بند کرنا چاہا مگر اسے دیر ہو چکی تھی۔ پرندہ اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس کی چونچ محسن کے سر پر لگی وہ دھڑام سے گرا اور پرندہ باہر نکل آیا۔ محسن

خوفزدہ ہو کر اٹھا وہ پرندے کے سامنے بونا لگ رہا تھا۔

پرندے نے زور دار چیخ ماری اور تیزی سے آگے دوڑا۔ اس نے اپنے پر پھرپھڑائے اور پہلی اڑان لی۔ اسے ہوا میں بلند ہوتے دیکھ کر محسن کو جیسے ہوش آگیا۔ وہ چیختا چلاتا ہوا تجربہ گاہ کی طرف دوڑا۔ جلد ہی سارے سائنس دان دوڑتے ہوئے ادھر آئے۔ وہ سب اوپر دیکھ رہے تھے۔ پرندہ کسی جیٹ جہاز کی طرح پر پھیلائے، ہوا میں تیر رہا تھا۔ ایک بازو سے دوسرے بازو تک اس کا پھیلاؤ کئی میٹر طویل تھا۔

"اف خدایا ـــ اب کیا ہوگا!"

"اسے فوری طور پر پکڑنا ہوگا۔"

"مگر کیسے! اس دیو کو کون قابو کر سکتا ہے؟"

"ہمیں ہیلی کاپٹروں اور جہازوں سے مدد لینا ہوگی۔ فضائیہ کی مدد کے بغیر اسے نہیں پکڑا جاسکتا ...... ڈاکٹر فوراً کچھ کریں۔ ورنہ ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔"

"مم ـــ میں حکام کو فون کرتا ہوں۔" ڈاکٹر نصیر اندر کی طرف دوڑے۔ پرندے نے فضا میں دو تین چکر لگائے اور پھر مشرق کی طرف پرواز کرتا ہوا دور جانے لگا۔

"یہ ـــ یہ ـــ کہاں جارہا ہے ـــ اُف ہم اسے کس طرح روکیں۔"

"ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر یہ نظروں سے اوجھل ہو گیا اور جنگلوں بیابانوں میں نکل گیا تو اسے ڈھونڈنا مشکل ہو جائے گا۔"

"کاش فضائیہ فوراً حرکت میں آجائے۔"

پرندہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

O — O — O — O — O

کراچی سے لاہور جانے والی فلائٹ پرواز کے لئے پوری طرح تیار تھی بس پائلٹ کو کنٹرول ٹاور سے ملنے والے اشارے کا انتظار تھا۔ وہ آخری بار ہر کل پرزے کو دیکھ رہا تھا۔سب کچھ ٹھیک تھا۔پھر کنٹرول ٹاور نے پرواز کا اشارہ کیا اور جہاز نے ایک ہلکے سے جھٹکے سے حرکت شروع کی۔ وہ سیدھا رن وے پر دوڑا جارہا تھا۔ پائلٹ آہستہ آہستہ اس کی رفتار بڑھاتا جارہا تھا۔ سب مسافر مطمئن تھے۔

ایسا ہی ہوتا ہے

مرسلہ ...... محمد ریحان، اسلام آباد

ایک کمپنی میں امیدواروں کا تحریری امتحان ہوناتھا۔ فرم کے افسر نے دیکھا کہ سارے امیدوار بڑی بڑی سفارشیں لائے ہیں۔ جتنی اسامیاں خالی تھیں اتنے ہی امیدوار تھے۔ افسر نے بڑی سوچ بچار کے بعد ایک پرچہ تیار کیا تاکہ سارے سفارشی اسے حل کر کے منتخب ہو جائیں۔ پرچہ کچھ یوں تھا۔

چاندی کا روپیہ کس دھات سے بنتا ہے؟ دس بجے کی خبریں کس وقت آتی ہیں؟ کراچی میں نیلی بسوں کا رنگ کونسا ہے؟ امریکہ کا مجسمہ آزادی کہاں واقع ہے؟ چالیس کلو والی بوری کا وزن کتنا ہوگا؟

جہاز کے اندرونی حصے میں باتوں کا ہلکا سا شور تھا۔ پھر جہاز کے اگلے پہیے اوپر اٹھ گئے۔ صرف چند لمحوں بعد پائلٹ اسے مکمل طور پر فضا میں بلند کر دیتا۔ اس وقت چاروں طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ بادل کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا مگر پھر اچانک جہاز کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ پائلٹ نے حیرانگی سے اوپر دیکھا اور پھر اسے اپنا سانس حلق میں اٹکتا محسوس ہوا۔ وہ ایک بہت بڑا دیو قامت پرندہ تھا جو اچانک ہی جہاز کے سامنے آ گیا تھا۔ پرندے پر نظر پڑتے ہی پائلٹ کو گزشتہ چند دن سے اخبار میں چھپنے والی سنسنی خیز خبریں یاد آ گئیں جنہیں اس نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح دلچسپی سے پڑھا تھا۔ دو دن پہلے ہی اس پرندے کے فرار کی خبر چھپی تھی۔ اسے پہاڑوں، دریاؤں، جنگلوں شہروں۔ ہر جگہ تلاش کیا گیا مگر وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا اور آج نظر آیا تو کیسی خطرناک جگہ۔۔۔! ایسی سچویشن سے پائلٹ کا کبھی واسطہ نہ پڑا تھا وہ ایکدم پریشان ہو گیا کہ کیا کرے۔ آیا جہاز کو فضا میں بلند کر دے یا نہیں۔۔۔! اس نے فوراً کنٹرول ٹاور سے رابطہ کیا۔ وہاں پہلے ہی کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ کنٹرول ٹاور سے اسے خبردار کیا گیا کہ اس صورتحال میں جہاز کا فضا میں بلند کیا جانا خطرناک ہے۔ اگر اس پرندے نے جہاز کو ٹکر دے ماری تو سینکڑوں مسافروں کی زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں گی۔ (پھر کیا ہوا؟ اگلے شمارے میں پڑھیے)

بچوں کے مشہور و معروف مصنف
اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز،
ہنگامہ آرا،
مزاح اور جاسوسی
سے بھرپور ناول

۵۸۴ ـ مکار + مکار ــــ میڈیم خاص نمبر ــــ ۶۰ روپے
۶۴ ـ انجانا خطرہ ــــ انسپکٹر جمشید سیریز ــــ ۱۵ روپے
۶۵ ـ کتے کی موت ــــ " ــــ ۱۵ روپے
۶۷ ـ دوسرا کیمرہ ــــ " ــــ ۱۵ روپے
۶۸ ـ جاسوس ہو تو ایسا ــــ " ــــ ۱۵ روپے

۲۰ اکتوبر ۱۹۹۶ء
کو آپ کے شہر میں
ہر بڑے بکسٹال پر دستیاب
ـــ یا ـــ
پھر براہ راست خط لکھ
کر ادارے سے بذریعہ وی پی
منگوائیں

اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانده کلاں
لاہور ـــ فون ۷۲۴۶۲۵۶

دُودھ کی بدولت
ریشم جیسے بال — نرم ملائم کھال
روشن روشن آنکھ — موتی جیسے دانت
کہتے ہیں کہ "صحت مند جسم صحت مند ذہن کی علامت ہے"
ماہرین برسوں کی تحقیق کے بعد دُودھ کو مکمل غذا
اور صحت مند جسم کی ضمانت قرار دیتے ہیں۔
اللہ میاں نے دُودھ میں کیلشیم، پروٹین
وٹامنز اور بہت سے معدنی اجزا متوازن
مقدار میں شامل کر دیے ہیں۔ یہی وہ اجزا
ہیں جو اچھی صحت، بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی
کی ضمانت ہیں۔
اگر آپ نے ہر روز دو گلاس دُودھ پینا اپنی عادت بنالیا
تو گویا آپ نے صحت مندی کا راز پالیا۔
دانائی کی بات سنو
دُودھ پیو — مضبوط بنو
اشتہار برائے بہبود اطفال، منجانب آنکھ مچولی ۔ کراچی
MASS

یہ دنیا اپنا گھر ہے

عابد سلطان

اے پیارے لوگو!
یہ اپنی دنیا
کتنی حسیں ہے
یہ آبشاریں
سر سبز جنگل
پھولوں کے تختے
ٹھنڈی ہوائیں
تازہ فضائیں
شامیں گلابی
نورانی صبحیں
خاموش وادی
بھیڑوں کے گلّے
کم سن چرواہوں
کی میٹھی بنسی
چڑیوں کے نغمے
پھولوں کی خوشبو
چیڑ اور دیار کے
جنگل گھنیرے

اے پیارے لوگو!
اپنی یہ دنیا
بے حد حسیں ہے

تم اس کے جنگل
کیوں کاٹتے ہو
اس حسن کو تم
کیوں روندتے ہو
تازہ ہوا کو
کرتے ہو گندا
دریا کی مچھلی
بَن کے پرندے
جو بے زباں ہیں
جو بے ضرر ہیں
کیوں مارتے ہو
تم اس سکوں کو
کیوں چھینتے ہو

یہ اپنی دنیا
ہم سب کا گھر ہے
تم اپنے گھر کو
کیوں روندتے ہو

اے پیارے لوگو!
اک لحظہ سوچو
یہ اپنی دنیا
کتنی حسیں ہے
تم اس کو دیکھو
تم اس کو چاہو
اس کو بچاؤ
یہ اپنا گھر ہے
یہ اپنا گھر ہے

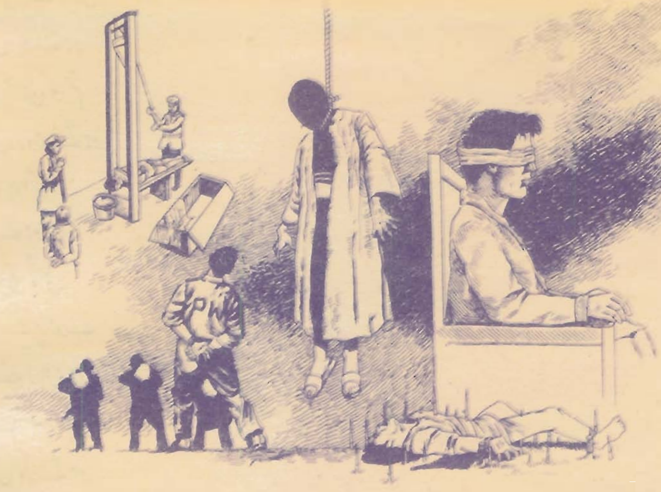

پھانسی دے دی جائے

علیؔ جبرانؔ

آپ نے اکثر اخبار میں اس قسم کی خبر پڑھی ہوگی کہ فلاں ملزم کو عدالت نے پھانسی یا موت کی سزا سنا دی۔ لیکن شاید کبھی اس پر غور نہ کیا ہو کہ پھانسی یا موت کی سزا کب ایجاد ہوئی، کیوں ایجاد ہوئی اور کس شکل میں کب رائج ہوئی۔
اندازہ لگایا گیا ہے کہ پہلی بار یہ سزا کسی بادشاہ نے کسی باغی یا مجرم کو انتقاماً دی ہوگی۔ بعد میں اسے جرائم کی روک تھام کا ذریعہ بنالیا گیا اور پھر اسے قانونی شکل دے دی گئی۔

زمانہ قدیم میں "آنکھ کے بدلے آنکھ" "دانت کے بدلے دانت" اور "جان کے بدلے جان" کے طریقے پر عمل ہوتا تھا بلکہ بعض دفعہ انتہائی معمول جرائم کے ارتکاب پر بھی مجرم کو سزا دی جاتی تھی۔ ۵۷ سو برس قبلِ مسیح میں مجرموں کو سزائے موت دینے کا ایک نہایت ہی اچھوتا اور خوفناک طریقہ رائج تھا۔ مجرم کو پیٹھ کے بل زمین پر اس جگہ لٹا دیا جاتا تھا جہاں بانس کی ننھی ننھی نرم کونپلیں زمین سے جھانک رہی ہوتیں اور مجرم کے

دونوں ہاتھ اور پاؤں کھونٹے سے باندھ دیئے جاتے تاکہ وہ حرکت نہ کر سکیں۔ دوسری صبح جب لوگ مجرموں کو دیکھنے آتے تو بانس کی وہی نرم کونپلیں اس کے سینے کے آر پار ہو چکی ہوتی تھیں۔

بعض تہذیبوں میں جہاں عدالتوں کو اپنے احکام کی تعمیل کرانے کے ذرائع میّسر نہ تھے، مجرموں کو خوں بہا دینے کی بھی اجازت ہوتی تھی مثلاً برطانیہ میں "سیکسن دور" میں خون بہا کے طور پر روپیہ پیسہ دینے کا عام رواج تھا۔ رقم کا تعین مقتول کی معاشرتی حیثیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کیا جاتا تھا۔ پہلے پہل صرف قتل یا اسی قسم کے دوسرے سنگین جرائم کے لئے سزائے موت مقرر تھی۔ ۱۷۱۴ء میں برطانیہ میں ۱۵۶ جرائم ایسے تھے جن پر موت کی سزا دی جاتی تھی۔ بعد میں یہ تعداد بڑھ کر ۲۲۰ تک جا پہنچی تھی۔ اس دور میں سزائے موت کے مخالف موجود تھے جو یہ مطالبہ کرتے تھے کہ موت کی سزا صرف قاتلوں اور غداروں کو ہی دی جائے۔

۱۸۱۰ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے ایک معزز رکن سر سمیوئیل روطے نے شلنگ یا اس سے زیادہ رقم کی چوری کے جرم پر سزائے موت دینے کی مخالفت میں پارلیمنٹ میں ایک قرار داد پیش کی جو نامنظور ہوئی کیونکہ حزبِ اقتدار کا دعویٰ تھا کہ جرائم کی روک تھام کے لئے سزائے موت ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ لوگ سزائے موت پانے والوں کے انجام سے عبرت پکڑتے ہیں اور کوئی بھی جرم کرنے سے باز رہتے ہیں۔ اس دور میں صرف روٹی چرانے پر بھی موت کی سزا دی جاتی تھی۔

۱۸۵۶ء میں صرف چار جرائم ایسے تھے جن کے لئے موت کی سزا مقرر تھی۔ غداری، قزاقی، قتل اور شاہی و سرکاری املاک کو نذرِ آتش کرنے پر ۱۸۶۸ء سے پہلے سرِ عام پھانسی دی جاتی تھی ۱۹۰۸ء میں یہ طریقہ ختم کر دیا گیا تھا۔

دنیا کے کئی ملکوں میں سزائے موت ختم کرنے کی تحریک کو عوامی حیثیت حاصل ہے۔ ان ملکوں میں آسٹریلیا، بلجیئم، ڈنمارک، برطانیہ، لکسمبرگ، فن لینڈ، نیدرلینڈ، آئس لینڈ، سوئزرلینڈ، کینڈا، نیوزی لینڈ، ارجنٹائن اور کوسٹاریکا شامل ہیں — دنیا کے مختلف ملکوں میں سزائے موت دینے کے پانچ طریقے رائج ہیں۔ یعنی پھانسی، تلوار سے گردن مارنا گیس چھوڑنا، جسم سے بجلی کی رو گزارنا اور گولی مار دینا۔

پھانسی کی سزا پاکستان، ہندوستان، سری لنکا، امریکا کی بعض ریاستوں اور جرمنی وغیرہ میں بھی دی جاتی ہے۔ پھانسی دینے کا طریقہ یہ ہے کہ پھانسی سے ایک دن پہلے مجرم کا قد ناپا جاتا ہے اور وزن کیا جاتا ہے۔ پھر ایک بوری میں مجرم کے وزن کے برابر چیزیں بھر دی جاتی ہیں۔ یہ وزن ہی رسی کے ایک سرے پر باندھا جاتا ہے جس کا دوسرا سرا ایک "متحرک گانٹھ" کے ذریعے مجرم کے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ مجرم ایک گڑھے پر رکھے ہوئے تختے پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ تختہ جب اس کے قدموں کے

نیچے سے کھینچ لئے جاتے ہیں تو مجرم لٹک جاتا ہے۔ اس کی گردن کا منکا ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ریڑھ کی ہڈی کے دو تین جوڑ اکھڑ جاتے ہیں۔ جھٹکا لگتے ہی آدمی کے حواس جواب دے جاتے ہیں، سانس رک جاتی ہے اور نتیجتاً موت واقع ہو جاتی ہے۔ پھانسی میں صرف پچیس سیکنڈ لگتے ہیں۔ پھانسی دینے کا طریقہ "اینگلو سیکسن اقوام" نے اپنے آباؤ اجداد سے سیکھا تھا۔

انگلستان میں یہ طریقہ ہنری اوّل اور ہنری دوئم کے دور میں اپنایا گیا۔ قرونِ وسطیٰ میں ہر لارڈ کو پھانسی دینے کا اختیار تھا۔ البتہ بارہویں صدی میں یہ اختیار صرف شاہی عدالتوں تک محدود ہو گیا۔

امریکا میں پھانسی دینے کا طریقہ انگریز آباد کاروں نے رائج کیا۔ وہاں سب سے پہلے ایک قاتل کو "پلائی کوتھ" نامی ایک مقام پر پھانسی کی سزا دی گئی۔

انیسویں صدی میں پھانسی کے رسے اور اس متحرک گانٹھ" کے بارے میں اطلاع دی گئی تاکہ پھانسی پانے والے کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ ۱۹۵۳ء میں امریکا کی ریاستوں میں پھانسی دینے کا عام رواج تھا لیکن بعد میں پھانسی کی جگہ بجلی کی ایک تیز رو گزار کر مجرم کی زندگی ختم کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔

خجند کا امیر

ایک شخص نے خجند کے امیر کو خواب میں دیکھا۔ وہ بہت اچھی حالت میں جنت کے باغوں کی سیر کر رہا ہے اس شخص نے سوال کیا کہ ایسا بلند درجہ تجھے کیوں حاصل ہوا؟ امیر نے جواب دیا، اپنی کوئی نیکی تو یاد نہیں صرف یاد آتا ہے کہ ایک بار میں نے ایک یتیم کے پیر میں سے کانٹا نکال دیا تھا خدا نے شاید میری اسی نیکی کے باعث یہ درجہ عطا فرمایا کہ اب میرے راستے کا ہر کانٹا پھول بن جاتا ہے۔

مرسلہ .... بینش ظہیر خان زادہ، کراچی

(حکایات سعدیؒ)

زندگی

امام "غزالیؒ" سے کسی نے پوچھا کہ "زندگی کیا ہے؟"

آپ نے جواب دیا "سفر۔"

سوال کرنے والے نے وضاحت چاہی تو امام "غزالیؒ" نے فرمایا:

"اس کا آغاز ماں کی گود ہے اور انجام قبر۔ اس کی منزلیں سال ہیں دن سنگ میل اور اس کا ہر سانس ایک قدم ہے۔"

مرسلہ ...... عبدالقدیر، پنوں عاقل۔

ہنستے ہنستے

ایک آدمی پر اس الزام پر مقدمہ چل رہا تھا کہ اس نے ایک آدمی کو اتنے زور سے گھونسا مارا کہ اس کے کچھ دانت ٹوٹ گئے۔ عدالت میں واقعے کی تفصیل بتاتے ہوئے مدعی نے غصے سے کہا۔ "اس نے دانت ہی نہیں توڑے بلکہ بڑی کمینگی کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ اچھے دانت توڑ ڈالے اور خراب دانت چھوڑ دیئے۔"

مرسلہ...... شاہدہ ہاشم علی، بورے والا۔

ایک صاحب کی تحریر بہت شکستہ اور خراب تھی۔ انہیں اپنے بچوں کے لئے ٹیوٹر کا انتظام کرنا تھا۔ انہوں نے اخبار میں ٹیوٹر کا اشتہار دیا کہ "بچوں کی پڑھائی کے لئے ایک ٹیوٹر کی ضرورت ہے۔" اخبار والوں نے یہ اشتہار چھاپ دیا۔ اشتہار چھپا تو لکھا تھا۔

"بچوں کی پٹائی کے لئے ایک ہنٹر کی ضرورت ہے۔"

مرسلہ...... شمائلہ شہزین، لاہور۔

گاہک:۔ "میں آپ کے ہوٹل میں ایک کمرہ لینا چاہتا ہوں۔"

منیجر:۔ "بڑی خوشی سے جناب۔"

گاہک:۔ "میں نے سنا ہے کہ آپ کے ہوٹل میں مچھر اور کھٹمل بہت ہیں۔"

منیجر:۔ "دراصل بات یہ ہے کہ ہمارا ہوٹل شہر کا سب سے سستا ہوٹل ہے اس لئے ہر کوئی منہ اٹھائے چلا آتا ہے۔"

مرسلہ......جنید اختر

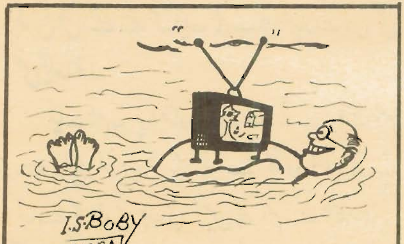

ایک دوست (دوسرے دوست سے) "یار تم خوشی کے موقعوں پر اپنے دوستوں کو کبوتر ہی کیوں تحفے میں دیتے ہو؟"

دوسرا دوست۔ "اس لئے کہ دوسرے دن وہ میرے پاس واپس آ جاتے ہیں۔"

مرسلہ ...... جواہر عرف جٹرام داس، سندھ کوٹ

استاد نے بچوں کو بتایا۔ "بچے قوم کا سرمایہ ہیں ملک و ملت کا مستقبل ہیں۔"

ایک بچے نے معصومیت سے سوال کیا۔ "سر حکومت سرمائے میں اضافے سے پریشان کیوں رہتی ہے؟"

مرسلہ ...... ایاز حسین، کراچی

دو پاگل باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ "چلو یار سورج کی سیر کر کے آئیں۔"

دوسرا بولا۔ "پاگل ہو وہاں تو جل جائیں گے۔"

پہلا فوراً بولا۔ "ارے بیوقوف ہم رات کے وقت جائیں گے۔"

مرسلہ ...... ہما شریف، کراچی۔

ایک جگہ پر دو تین اشتہارات آپس میں اس طرح مل گئے تھے کہ ایک عجیب ہی عبارت بن گئی تھی لکھا تھا۔

نیک نام۔ پُر اعتماد جوتے کھانے کے وقت ہم سے رابطہ کریں جو پہلے آئے گا وہ اعلیٰ جوتے کھائے گا۔ جلدی جلدی آئیں پھر ہم سے شکایت نہ کیجئے گا کہ ہمیں خبر ہی نہ ہوئی۔ کھانے کے لئے معیاری!!!

مرسلہ ...... عامر شہزاد، جہلم

ایک صاحب نے عدالت میں جھوٹی گواہی دیتے ہوئے اپنے بیٹے کی قسم اٹھائی۔ جب وہ گواہی دے کر باہر آئے تو ایک صاحب نے کہا، "مجھے معلوم ہے کہ تم نے جھوٹی قسم کھائی ہے لیکن ذرا یہ تو سوچو کہ تم نے اپنے بیٹے کی قسم کھائی ہے۔ فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر توبہ کر لو۔"

جھوٹے گواہ نے ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے کہا "بھائی صاحب! میری تو ابھی شادی ہی نہیں ہوئی ہے۔"

مرسلہ ...... شمائلہ شہزین، لاہور

ایک صاحب کو "خ" کی جگہ "ق" اور "ق" کی جگہ "خ" بولنے کی عادت تھی۔ ایک دفعہ وہ ایک قبرستان سے گزرے تو ایک قبر سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے فوراً ہڑبڑاتے ہوئے اٹھے اور بولے "مجھے کیا قبر تھی کہ اِدھر خبریں ہی خبریں ہیں۔"

مرسلہ ...... شفیق احمد، لانڈھی

دو دوست آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک اخبار بھی پڑھ رہا تھا۔ اس نے اخبار میں اموات کی شرح پڑھتے ہوئے کہا "تمہیں پتا ہے کہ میری ہر سانس کے ساتھ ایک انسان مر جاتا ہے۔" دوسرے دوست نے حیرت سے کہا "تم اچھا ٹوتھ پیسٹ کیوں نہیں استعمال کرتے !!؟"

مرسلہ ...... سیماب اکرم، یزمان

کسی گھرانے کو ایک ایسا واشنگ پاؤڈر ملا جس کو تھوڑا

ساڈالنے پر کافی سارے کپڑے دُھل جاتے تھے۔ لیکن اس گھرانے کی دادی جان کو اس بات کا یقین نہ تھا اور وہ ہمیشہ زیادہ پاؤڈر ڈالتی تھیں آخر کار انہیں اس وقت یقین آیا جب ایک دن دادا جان نے ان سے پریشانی کے عالم میں کہا کہ "زیادہ پاؤڈر نہ ڈالا کرو کیونکہ جب مجھے کل پسینہ آیا تو میرے کپڑوں میں بُلبلے نکل رہے تھے۔

مرسلہ...... عظمیٰ امین، ڈیرہ غازی خان

ایک سپاہی جنگ میں ہر وقت اپنے افسر کے پاس رہتا تھا۔ جنگ ختم ہوئی تو افسر نے خوش ہو کر کہا۔ "شاباش جوان! تم بڑے وفادار ہو۔ جنگ کی حالت میں بھی میرے ساتھ ساتھ رہے۔"

سپاہی بولا:۔ "میری ماں کی نصیحت تھی کہ جنگ میں کسی افسر کے ساتھ رہنا کیونکہ جنگ میں افسر کم مرتے ہیں۔"

مرسلہ...... صائمہ کوثر، لاہور

ڈاکٹر مریض سے:۔ "لیجئے میں نے آپ کا دانت نکال دیا ہے۔"

مریض:۔ "ڈاکٹر صاحب آپ کی فیس کتنی ہے؟"

ڈاکٹر:۔ "۵۰ روپے"

مریض:۔ "لیکن ڈاکٹر صاحب میرے پاس تو ۱۰۰ کا نوٹ ہے؟"

ڈاکٹر:۔ "کوئی بات نہیں میں ابھی آپ کا ایک اور دانت نکال دیتا ہوں۔"

مرسلہ...... محمد ذیشان، دادو

ایک آدمی عینک لگوانے ڈاکٹر کے پاس پہنچا۔ ڈاکٹر نے اسے کرسی پر بٹھادیا اور تقریباً دس فٹ کے فاصلے پر ایک کارڈ اس کے سامنے رکھ کر پوچھا۔ "کیا آپ اس کارڈ کے حروف پڑھ سکتے ہیں؟"

"جی نہیں ڈاکٹر صاحب۔" ڈاکٹر نے چند فٹ کارڈ اور مریض کے قریب لاتے ہوئے کہا۔

"اور اب کیا یہ حروف پڑھ سکتے ہیں؟"

مریض نے جواب دیا۔ "جی نہیں۔ بالکل نہیں۔"

ڈاکٹر بہت جھنجھلایا اور کارڈ مریض کی آنکھوں کے پاس رکھ دیا اور بولا۔ "اور اب؟" مریض نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں نہیں پڑھ سکتا کیونکہ مجھے پڑھنا آتا ہی نہیں ہے۔"

مرسلہ ...... نوید اختر، کراچی

میراثی (قصائی سے) مجھے ذرا سریلا سا گوشت دینا۔"

قصائی۔ "جناب یہ بکرے کا گوشت ہے مہدی حسن کا نہیں۔"

مرسلہ ...... عظمیٰ امین، ڈیرہ غازی خان

ایک شخص کا گدھا مر گیا۔ اس کو بہت دکھ ہوا۔ وہ روتا ہوا باہر نکل آیا۔ محلے کے لڑکے بہت شرارتی تھے۔ وہ بھی ساتھ مل کر رونے لگے۔ ایک راہ گیر نے گزرتے ہوئے پوچھا۔ "بھائی کیوں رو رہے ہو؟"

اس شخص نے کہا۔ "میرا گدھا مر گیا ہے۔"

راہ گیر نے قدرے حیران ہو کر پوچھا۔ "اور یہ لڑکے کیوں رو رہے ہیں؟"

آدمی حاضر جواب تھا بولا۔ "مرحوم ان کا بھائی تھا۔"

مرسلہ ...... محمد عمر قریشی، اسلام آباد

ایک کلاس میں دو لڑکے شور مچا رہے تھے کہ استاد آ گئے۔ انہوں نے دونوں لڑکوں کو شور مچانے کی سزا یہ دی کہ انہیں سو سو بار اپنا اپنا نام لکھنے کو کہا۔ ایک لڑکا تو فوراً شروع ہو گیا جبکہ دوسرا رونے لگا۔ استاد نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔

"جناب اس کا نام صرف قمر ہے جبکہ میرا نام آغا غیاث الدین بیگ ہے۔"

مرسلہ ...... اویس یوسف زئی، اٹک

ایک صاحب ایک پیکٹ بغل میں دبائے بھاگے جا رہے تھے۔ ایک پولیس مین کو شک گزرا۔ اس نے اس شخص کو روکا اور پوچھا کہ "کیا چوروں کی طرح چھپا کر لے جا رہے ہو؟ ضرور تم نے کہیں چوری کی ہے۔"

وہ شخص بولا۔ "نہیں جی اس میں میری بیگم کے کپڑے ہیں مجھے گھر جانے کی جلدی ہے کیونکہ اگر میں دیر سے گھر پہنچا تو کیا پتہ فیشن ہی بدل چکا ہو۔"

مرسلہ: فوزیہ اسحاق، کراچی

میرا رب دعا کا بڑا سننے والا ہے

سونے سے پہلے کی دعا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى

اے اللہ! میں تیرا نام لے کر مرتا اور جیتا ہوں۔

کھانے سے پہلے کی دعا

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ

میں نے اللہ کے نام سے اور اللہ کی برکت پر کھانا شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیت الخلاء جاتے وقت کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں سے مرد ہوں یا عورت۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جب سو کر اٹھے تو یہ دعا پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

اے اللہ! مجھے بہت توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں میں شامل کر دے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گھر سے نکلنے کی دعا

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گھر میں داخل ہونے کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اذان کے بعد کی دعا

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کھانے کے بعد کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیت الخلاء کے بعد کی دعا

غُفْرَانَكَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰى وَعَافَانِیْ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آئینہ دیکھتے کی دعا

اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ

اے اللہ! جیسے تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے میرے اخلاق بھی اچھے کر دے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سفر کی دعا

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

اللہ سے رابطہ دعا کے ذریعے ممکن ہے یہ وہ پکار ہے جو اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔

ادارے نے ایسی ہی مسنون دعاؤں کو خوبصورت اور دیدہ زیب اسٹیکرز میں چھاپا ہے۔ ایک مکمل سیٹ کا ہدیہ ۲۵ روپے رکھا گیا ہے۔

آنکھ مچولی کے پتے پر ۲۵ روپے کا منی آرڈر بھیج کر آپ یہ دعاؤں کا سیٹ منگوا سکتے ہیں۔ (ادارہ)

منگوانے کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی

1- بی ٹی آئی بی کالونی کراچی 5

ایک پرندہ برف میں زندہ

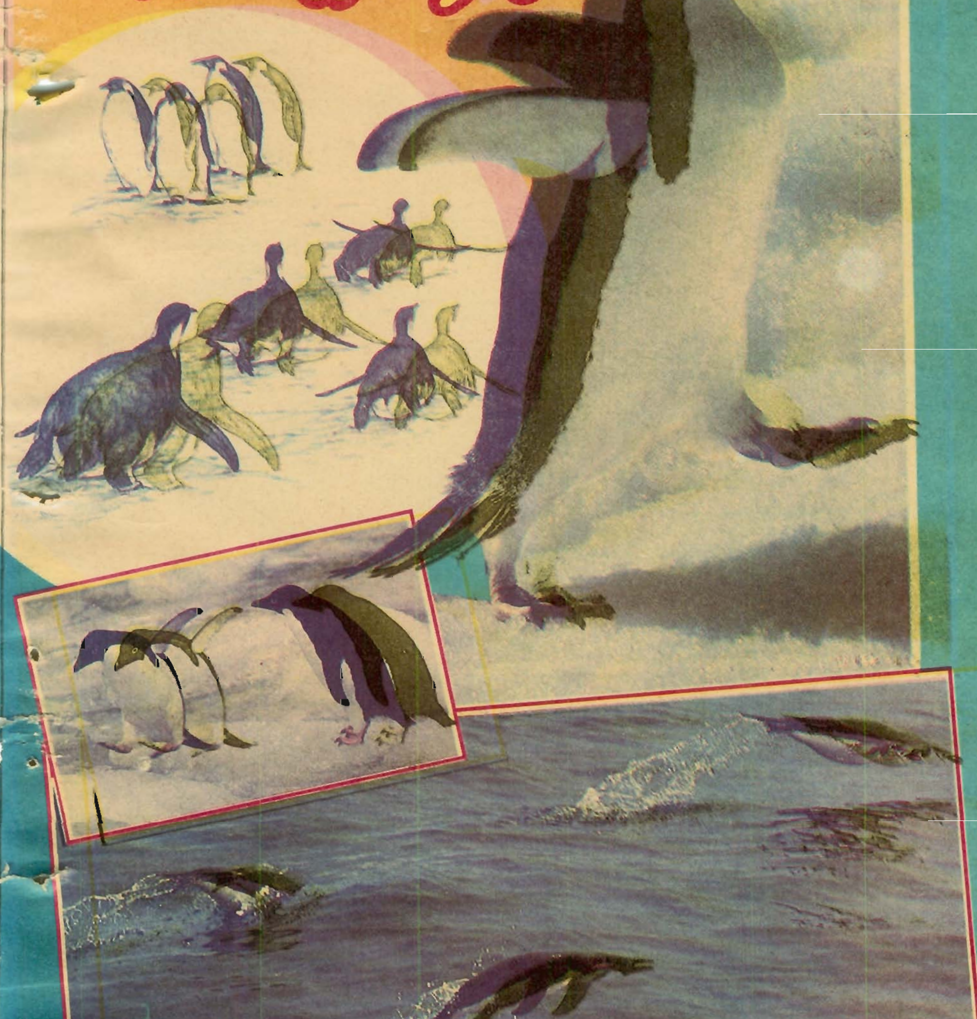

م۔ الف راشد

لوگ کہتے ہیں کہ پینگوئن ایک سست اور کاہل پرندہ ہے۔ ہو سکتا ہے لوگ ٹھیک ہی کہتے ہوں۔ کیونکہ انہوں نے اکثر اسے زمین پر دیکھا ہے۔ لیکن بندوق کی گولی جیسا اس کا جسم تو اسی ماحول کے لئے مناسب ہے ناں..... جہاں وہ سال میں چھ مہینے سے زیادہ رہتا ہے..... یعنی سمندر۔

پینگوئن زبردست تیراک ہے۔ وہ اپنی گردن سے پانی کو چیرتا اور پیروں اور بازوؤں کی مدد سے اسے پیچھے دھکیلتا ہوا اتنی تیزی سے آگے بڑھتا ہے کہ ایک گھنٹے میں پندرہ میل کا فاصلہ طے کر لیتا ہے۔ پینگوئن اچھا غوطہ خور بھی ہے۔ وہ سمندر میں ایک ہزار فٹ گہرائی تک جا سکتا ہے۔ وہ پانی کے اندر ہی اندر دور تک تیر بھی سکتا ہے..... بالکل آب دوز کی طرح..... جب اسے سانس لینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ اپنے طاقتور بازوؤں کی مدد سے پانی سے باہر کی طرف چھلانگ لگاتا ہے اور پھر اسی رفتار سے دوبارہ پانی میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس اُڑان کا فاصلہ، جو وہ سانس لینے کے لئے بھرتا ہے، اس کی جسامت سے دو تین گنا سے زیادہ نہیں ہوتا۔

یہ بات تو آپ جانتے ہی ہیں کہ پینگوئن کا وطن انٹارکٹیکا ہے۔ اور انٹارکٹیکا ایک ایسا برفستان ہے، جہاں زندگی گزارنا بہت مشکل کام ہے۔ لیکن اللہ میاں نے پینگوئن کو ان مشکل حالات میں جینے کا ہنر سکھا دیا ہے۔

سمندر کے پانی سے برف کی کسی سِل پر آنا بھی ایک دشوار مرحلہ ہوتا ہے لیکن پینگوئن نے اس مشکل حل بھی تلاش کر لیا ہے۔ وہ جس طرح سانس لینے کے لئے پانی سے باہر چھلانگ لگاتا ہے، اسی طرح برف پر آنے کے لئے بھی لمبی جمپ لگاتا ہے۔ یہاں بھی اس کے طاقتور بازو اس کی مدد کرتے ہیں اور پینگوئن کسی راکٹ کی طرح پانی سے نکلتا ہے اور سیدھا برف پر آن اُترتا ہے۔

اب یہی نہیں کہ پینگوئن صرف پانی ہی میں تیزی سے حرکت کر سکتا ہے..... بلکہ وہ تو زمین پر بھی پُھرتی سے دوڑتا ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اس کا آغاز کافی سست ہوتا ہے..... لیکن جب وہ ایک بار دوڑنا شروع کر دے تو اچھی خاصی رفتار سے بھاگ سکتا ہے۔ اور اگر واقعی اسے بہت جلدی ہو تو پھر وہ خود کو برف گاڑی بنا لیتا ہے۔ اپنے پیٹ کو برف پر رکھ کر پیروں اور بازوؤں کی مدد سے برف کو زور سے پیچھے دھکیلتا ہے اور بہت تیزی سے آگے کی طرف پھسلتا ہے۔ یہ پینگوئن کی اسکیٹنگ ہے۔ اس وقت اس کی تیزی کو دیکھتے ہوئے کوئی شخص یہ یقین نہیں کر سکتا کہ یہ وہی پینگوئن ہے جو بظاہر سست اور کاہل نظر آتا ہے۔

اس لئے کہا جاتا ہے کہ

ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

شاہکار

ن۔ق۔ یاقوت شاہ

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں فطرت کے حسین نظاروں کی تصویریں بنانے کے لئے ہنزہ گیا ہوا تھا۔ میں اپنے شہر کا ایک کسی حد تک مشہور مصوّر تھا۔ اس لئے کہ اب میں نے مصوری ترک کر دی ہے۔۔ بہر حال میرا خیال اس وقت یہ تھا کہ مناظر کو رنگوں اور برش کے ذریعے کینوس پر منتقل کرنے کے لئے فطرت کے حسن کا سامنے موجود ہونا ضروری ہے۔

اوہ! میں تو اصل موضوع سے ہٹ ہی گیا۔ ہاں تو جب میں ہنزہ گیا تو وہاں کا حسن دیکھ کر حیرت زدہ ہی رہ گیا۔

"کیسی خوبصورت وادی ہے۔ اس بار میں ضرور کوئی نہ کوئی شاہکار تخلیق کر لوں گا۔" میں نے وادی کا حسن دیکھ کر سوچا۔ "ہوٹل ہنزہ"

پہنچنے تک میں تمام راستے وادی کی خوبصورتی کو سراہتا اور ان لوگوں کو کوستا رہا جو اپنے ملک کے ان حسین علاقوں کو چھوڑ کر باہر تفریح کے لئے جاتے ہیں۔

"ہنزہ ہوٹل" آج بھی یہاں کا خاصا مشہور ہوٹل ہے اور اپنی انفرادیت کے لئے مشہور ہے۔ ہوٹل پہنچ کر میں نے ایک سنگل روم بک کر لیا اور چابی لے کر اپنے کمرے کی طرف بیرے کی رہنمائی میں چل پڑا۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی مجھے بڑا خوشگوار احساس ہوا۔ کمرہ نہ تو شہر کے ہوٹلوں کی طرح تاریک تھا اور نہ ہی بھاری فرنیچر سے آراستہ اور پیراستہ۔ ہلکے نیلے قالین پر گہرے نیلے رنگ کے کشن اور گاؤ تکیے رکھے تھے۔ کھڑکیوں پر بھی گہرے نیلے ہی پردے تھے جو سائیڈ میں ہٹے ہوئے تھے۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ فرشی بستر تھا اور کمرے کے ایک کونے پر باتھ روم کا دروازہ۔

"چائے لے آؤں صاحب؟" بیرے نے پوچھا تو میں چونک پڑا اور سوٹ کیس دیوار کے ساتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "نہیں ابھی نہیں ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد لے آنا۔ ابھی میں نہاؤں گا۔"

"بہتر جی!" اور بیرا واپس مڑ گیا۔

نہانے اور چائے پینے کے بعد جب میں آرام کی غرض سے بستر پر لیٹا تو میں نے کھڑکیاں بند کرنی چاہیں مگر باہر کے حسین مناظر نے مجھے اپنے ارادے سے باز رکھا پہاڑوں کے پیچھے غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی کرنوں میں اونچے چنار اور بہتے ہوئے آبشار نہایت ہی خوبصورت لگ رہے تھے۔

"کافی اچھی جگہ پر ہے یہ ہوٹل۔" میں نے خود سے کہا۔ کافی دیر تک میں یونہی کھڑکی میں کھڑا رہا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور میں بستر پر گر گیا۔

اگلی ہی صبح میں ناشتے کے بعد اپنا پینٹنگ کا سامان لے کر باہر نکل گیا اور کسی ایسے مقام کی تلاش کرنے لگا جہاں میں آرام سے اپنا کام انجام دے سکوں۔

آخر ایک ہموار زمینی قطعہ پر میں نے اپنا ایزل سیٹ کیا اور اسکیچ بنانے لگا۔

پہاڑوں سے گرتے ہوئے آبشار ان پر جمی سفید سفید برف اور اپنے گرد پھیلی ہوئی ہریالی میں گھرا میں اپنے کام میں مگن تھا کہ اچانک ہی میرے پیروں کے بہت ہی قریب سے ایک چیز اچھلتی ہوئی گزری اور پھر اس کے پیچھے ایک آٹھ سات سال کی بچی بھاگتی ہوئی گئی۔ اس اچانک پیدا ہونے والی افراتفری سے میں اس قدر بوکھلا گیا کہ کلر پلیٹ میرے ہاتھ سے نکل کر کینوس پر عجیب و غریب نقش و نگار بنا گئی۔ مجھے یہ سب دیکھ کر بہت ہی غصہ آیا اور میں تیزی سے بچی کی طرف مڑا تو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں ایک خرگوش کو اٹھائے میری ہی طرف آ رہی تھی۔ "معاف کرنا۔ چاچا جی غلطی ہو گئی اصل میں یہ گوشی کا بچہ ہم کو تنگ کرتا ہے۔ ہم کو افسوس ہے آپ کا تصویر کھراب (خراب) ہو گیا۔" اس نے معصومیت سے اپنی صفائی پیش کی اور میں اس کے لب و لہجے اور چاچا جی

کہنے کی وجہ سے اپنی مسکراہٹ کو چھپا نہ سکا۔ میری مسکراہٹ سے اس کی ہمت بندھ گئی اور وہ پوچھنے لگی۔ "آپ شہر سے آئے ہو نا؟"

"ہاں۔" میں نے مختصر جواب دیا۔ "میرا چاچا بھی شہر میں رہتا ہے۔ وہ وہاں پڑھائی کی کھاطر رہتا ہے۔"

"کیا نام ہے تمہارے چاچا کا؟"

"علی احمد خان اور آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے جواب کے ساتھ ہی سوال پوچھ ڈالا۔ "میرا نام ...... میرا نام حیدر علی شاہ ہے۔" میرے جواب میں وہ پھر بول پڑی۔ "آپ کا نام بھی چاچا کی طرح بڑا ہے۔ ہم تو چاچا سے بہت بولا چاچا اپنا نام تھوڑا چھوٹا کرو مگر چاچا نہیں مانتا۔ بولتا ہے میں بڑا تو میرا نام بھی بڑا۔ ہنہہ۔" اس نے باقاعدہ اپنے چاچا کی نقل اتاری تو میں ہنسنے لگا۔ "بہت زیادہ بولتی ہو تم۔" میں نے لطف لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں پتہ نہیں کیوں۔" وہ ایک دم افسردہ سی ہو گئی۔ "میرا ماں بھی کہتا ہے زر گل تیرا قد تو اتنا سا ہے پر تیرا زبان گز بھر کا ہے۔" "اچھا تو زر گل نام ہے تمہارا؟" میں اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "سنو زر گل تم میرے ساتھ دوستی کر لو بلکہ ایسا کرو کہ مجھے اپنا چاچا بنا لو... ٹھیک ہے" میں نے اسے فوراً ہی رشتہ داری کی پیشکش کر دی تو وہ بھی راضی ہو گئی۔ "ٹھیک آپ ایسا کرو کہ ابھی گھر چلو میرا اماں ابا سے ملو۔" اور اپنا سامان ہوٹل پہنچا کر میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

میری تصویر ویسے ہی رہ گئی اور میں نے ارادہ کیا کہ میں زر گل کی تصویر بناؤں گا وہ نہایت ہی پیاری بچی تھی اور اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی معصومیت دیکھ کر مجھے واقعی یقین ہو گیا تھا کہ بچے معصوم فرشتے ہوتے ہیں۔

زر گل کو دیکھ کر مجھے خیال گزرا تھا کہ اگر "لوسی گرے" کا وجود دنیا میں کہیں ہے تو بس وہ زَر گل ہے کیونکہ لوسی گرے پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں اس کا جو تصور تھا زر گل اس پر حرف بہ حرف پوری اترتی تھی۔ سنہرے سنہرے بال، گلابی گال، نیلی آنکھیں، بھولی بھالی باتیں اور سب سے بڑی بات اس کی معصومیت۔

"واہ کیا زبردست تصویر ہے۔ دیکھا۔" میں نے مکمل تصویر کو دیکھتے ہوئے داد طلب نظروں سے زر گل کو دیکھا۔ "واقعی چاچا بہت اچھا تصویر بنایا ہے آپ نے۔" زر گل نے تائید کی تو میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا "اب اتنی بھی پیاری نہیں ہے تمہاری اپنی ہے نا اسی لئے کہہ رہی ہو۔" "اللہ نہیں چاچا جی ایسا بات نہیں ہے آپ ہی تو کہہ رہا تھا۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ "ارے میں تو مذاق کر رہا تھا۔ زر ویسے میری بھتیجی ہے ہی اتنی پیاری۔" میں نے اسے منایا۔

"چاچا مجھے ٹھنڈ لگتا ہے۔" زر گل نے کہا تو مجھے بھی موسم کی خرابی کا احساس ہوا۔ "ہاں" میں نے اس کی تائید کی۔ "موسم کچھ خراب ہے ایسا کرو کہ تم اب گھر جاؤ ہم کل صبح پھر ملیں گے۔" میں نے

سیاہ بادلوں سے ڈھکتے آسمان کو دیکھ کر کہا۔ ''اچھا پھر خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔'' زر گل گھر کی جانب بھاگتی ہوئی بولی اور میں ایزل اٹھا کر تیز تیز قدموں سے ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ کمرے میں پہنچ کر میں آتش دان کے قریب بیٹھ گیا بیرا گرم گرم قہوہ اور ڈرائی فروٹ رکھ گیا تو میں اس سے لطف اندوز ہونے لگا۔ باہر برف باری شروع ہو چکی تھی۔ اور رات بھر ہوتی رہی صبح جب میں نے کھڑکی کھولی تو اس وقت بھی برف باری جاری تھی۔ دو دن تک مسلسل برف باری ہوتی رہی اور تیسرے دن راستوں کی صفائی۔

چوتھے روز مطلع صاف ہونے پر میں ہوٹل سے نکلا اور زر گل کے گھر کی جانب چل پڑا۔ میں اس تصور سے ہی لطف لے رہا تھا کہ مجھے یوں اچانک اپنے گھر میں دیکھ کر زر اور اس کے ماں باپ کس قدر خوش ہوں گے۔ زر گل دوڑتی ہوئی میری طرف لپکے گی اور اس کی ماں مجھے تھوڑی ہی دیر میں قہوہ تھما دے گی مگر جب میں زر گل کے گھر پہنچا تو وہاں کا منظر ہی بدلا ہوا تھا زر گل اپنے گھر کے دروازے پر سفید کفن میں لپٹی موجود تھی۔ میں اس حقیقت پر یقین ہی نہیں کر پایا۔ ''کیسے ہوا یہ سب کچھ؟ کیا ہوا یہ... یہ تو یہ تو۔'' میں اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ''ٹھنڈ لگ گئی تھی اسے صاحب بس چلی گئی مالک کی چیز تھی مالک نے لے لی۔'' زر گل کا باپ اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے مجھے بھی دلاسا دینے لگا تو میں اس پہاڑی آدمی کی پہاڑ جیسے عزم و ہمت کا قائل ہو گیا۔

زر گل کے سوئم کے بعد میں نے بھی اپنا سامان باندھ لیا تھا اب وادی کا سارا حسن ماند پڑ چکا تھا۔ اونچے چناروں پر اب خزاں کا بسیرا تھا اور ڈوبتے سورج کی کرنیں سرخ ہو چکی تھیں۔

شہر میں تصویروں کی نمائش میں میری تصویر کو پہلا انعام ملا تھا اور ''شاہکار'' کا ٹائٹل بھی تصویر میں ایک بچی دونوں ہاتھ پھیلائے یوں کھڑی تھی کہ ساری دنیا اسی کی تو ہے۔ پیچھے اونچے پہاڑوں پر جمی ہوئی برف اور بہتے آبشار تھے۔ تصویر کا عنوان تھا۔

''اگر دنیا میں کوئی گرے کا وجود ہے تو وہ یہی ہے۔''

میری وہ آخری تصویر تھی اس کے بعد میں نے اپنے رنگ اور برش آتشدان میں جھونک دیئے۔

آج کوئی تصویر بنائے، مجھے پورے سات سال ہو گئے ہیں۔ میرے دوست، احباب مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میں نے پینٹنگ کیوں چھوڑ دی جبکہ میرا برش ''شاہکار'' تخلیق کرنے لگا تھا۔ تو میں ہنس دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ''شاہکار تو صرف ایک ہی بار بنا کرتے ہیں۔''

رنگین چڑیا

محمد عقیل صابر قریشی

تو لکڑی کے پنجرے میں رہتی ہے پیاری
نہ سنتی ہے کچھ اور نہ کہتی ہے پیاری
نہ جانے تجھے کون سا غم لگا ہے
کہ رہتی ہے ہر وقت غمگین چڑیا
میری پیاری اچھی سی رنگین چڑیا!

تجھے پھل کھلاؤں تو کھاتی نہیں تو
مجھے کوئی نغمہ سناتی نہیں تو
مگر پھر بھی تجھ سے خفا میں نہیں ہوں
کہ تو ہے میرے دل کی تسکین چڑیا
میری پیاری اچھی سی رنگین چڑیا!

اگرچہ تو اڑتی نہیں ہے ہوا میں
نہ تو چہچہاتی ہے روشن فضا میں
مگر اے مری دوست سن لے کہ میں نے
تیرا نام رکھا ہے "شاہین چڑیا"
میری پیاری اچھی سی رنگین چڑیا!

اگر تو مجھے آج اُڑ کر دکھائے
تو ٹافی کا انعام بھی مجھ سے پائے
مگر اُڑ سکے گی نہ تُو جانتا ہوں
کہ تو ہے فقط ایک رنگین چڑیا
میری پیاری کاغذ کی رنگین چڑیا

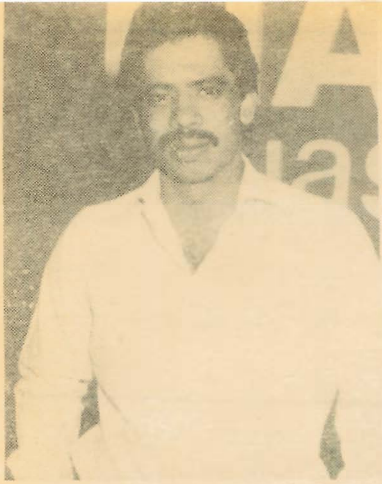

آمنے سامنے

اسٹار کھلاڑیوں سے سوال و جواب کا دلچسپ سلسلہ

تحریر و ترتیب :۔ سلیم خالق

"آمنے سامنے" کیلئے سوالات ہر کھلاڑی کے نام الگ الگ صفحے پر تحریر کریں۔ بہت سے بچے ایک ہی صفحے پر چار پانچ کھلاڑیوں کے لئے اپنے سوالات تحریر کر دیتے ہیں۔ اس سے بڑی دشواری ہوتی ہے۔ ایک بات اور "آمنے سامنے" کیلئے ہم پہلے سے تین کھلاڑیوں کے ناموں کا اعلان کر دیتے ہیں۔ ان میں سے جس کھلاڑی سے پہلے رابطہ ہوتا ہے۔ اسی سے جوابات پہلے لئے جاتے ہیں۔

حسب توقع جہانگیر خان کیلئے بچوں کے بہت سے دلچسپ خطوط موصول ہوئے۔ جہانگیر خان سے رابطے میں خاصی مشکل پیش آئی۔ کیونکہ وہ ملک سے باہر تھے، بہر حال جب ان سے رابطہ ہوا تو انہوں نے آپ بچوں کے سوالوں کے جوابات نہایت خندہ پیشانی سے دیئے۔

سوال :۔ جہانگیر بھائی! زیادہ تر بچے کرکٹ یا ہاکی ہی کھیلتے ہیں یہ آپ کو اسکواش کھیلنے کا شوق کیسے ہو گیا؟

(شاہینہ انجم، کراچی، منصور جمیل شیخ، کراچی)

جہانگیر خان :۔ اسکواش ہمارا خاندانی کھیل ہے۔ میرے والد روشن خان صاحب بھی سابق برٹش اوپن چیمپئن رہ چکے ہیں۔ بچپن سے ان کو اسکواش کھیلتے دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔ ان کو کھیلتے دیکھ کر ہی مجھے اسکواش کھیلنے کا شوق ہوا۔

انعامی سوال

سوال:۔ جہانگیر بھائی! اسکواش زیادہ مزیدار ہوتا ہے یا اسکوائش؟ (محمد فیاض، لاہور)

جہانگیر خان:۔ دونوں کا اپنی اپنی جگہ الگ مزہ ہے۔ میرے لئے اسکواش مزیدار ہے اور آپ کے لئے شاید اسکوائش۔ ویسے آپ کا سوال ہے بڑا دلچسپ۔

سوال:۔ جہانگیر بھائی! سنا ہے، بہت زیادہ اسکواش کھیلنے پر بچپن میں ایک دفعہ آپ کی پٹائی ہوئی تھی؟ (مجیب ربانی، خانیوال)

جہانگیر خان:۔ مجیب صاحب سب کے سامنے راز کیوں کھول رہے ہیں یہ بات تو کان میں پوچھنے والی تھی۔

سوال:۔ جہانگیر بھائی ریٹائیر منٹ کے بعد آج کل آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟ (مسعود احمد سومرو، گڈو، لئیق احمد، پشاور)

جہانگیر خان:۔ مصروفیات وہی ہیں جو پہلے تھیں۔ بس اب اسکواش زیادہ نہیں کھیلتا۔

سوال: جہانگیر بھائی۔ جب آپ کو غصہ آتا ہے تب آپ کیا کرتے ہیں؟ (ذیشان اظہر، رحیم یار خان)

جہانگیر خان:۔ فوراً اس غصے کو پی جاتا ہوں۔ کیونکہ غصہ کرنا حرام ہے نا بھئی۔

سوال:۔ جہانگیر بھائی آپ اتنے شرمیلے اور خاموش طبع کیوں ہیں؟ (اظہر مسعود ملک، راولپنڈی، شاہینہ علی، رحیم یار خان، محمد عبدالرحیم، ملتان)

جہانگیر خان:۔ یہ آپ سے کس نے کہا کہ میں شرمیلا اور خاموش طبع ہوں۔ بس ایسا ہے کہ میں جلدی کسی سے فری نہیں ہوتا۔

سوال:۔ جہانگیر خان! ذرا یہ بتائیے کہ الو بننا آسان ہے یا بنانا؟ (نوشابہ شبیر، گوجرانوالہ)

جہانگیر خان:۔ اگر مقابل آپ جیسا ہو تو بنانا۔

سوال:۔ انکل جہانگیر جب آپ انگریزوں کے ملک میں جا کر ان کو شکست دیتے تھے تو ہم خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے اور فخر سے ہمارا سر دس فٹ اونچا جاتا تھا۔ آپ کی حالت اس وقت کیا ہوتی تھی؟ (سید شیر شاہ، گجرات)

جہانگیر خان: میرا سر اس وقت خوشی سے ۲۰ فٹ اونچا ہو جاتا تھا۔ خیر یہ تو مذاق کی بات تھی۔ ظاہر ہے کہ بڑی خوشی ہوتی تھی، کیونکہ کسی کو اس کے ملک میں جا کر شکست دینے کا مزا ہی کچھ اور ہے۔

سوال:۔ انکل اسکواش بہت مہنگا کھیل ہے یہ تو صرف "امیر" لوگ ہی کھیل سکتے ہیں غریب لوگوں کا اس کھیل سے کیا واسطہ؟ (جاوید اقبال کنبھوروی، حیدر آباد)

جہانگیر خان:۔ آپ کی اس بات سے میں اتفاق نہیں کرتا۔ اگر بندے میں صلاحیت ہو تو وہ ہر کام کر سکتا ہے۔ اس کیلئے ضروری نہیں ہے کہ وہ امیر ہو۔ خود میری مثال آپ کے سامنے

ہے۔

سوال:۔ جہانگیر خان! آسٹریلین کھلاڑی اسکواش میں پاکستان کیلئے سخت چیلنج بنے ہوئے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جان شیر کے بعد آسٹریلین کھلاڑیوں کا دور ہو گا۔ جبکہ وہ تجربہ اور اسٹمنا کی مدد سے ہم پر حاوی ہوتے جارہے ہیں؟ (خرم نذر وڑائچ، لاہور)

جہانگیر خان:۔ آپ کی باتیں بالکل درست ہیں۔ واقعی آسٹریلین کھلاڑی پاکستان کیلئے سب سے بڑا خطرہ ہیں۔ بس آپ لوگ دعا کریں کہ کوئی اور پاکستانی کھلاڑی سامنے آئے اور جان شیر کے بعد ہمارے ملک کا نام روشن کرے۔

سوال:۔ کیا آپ کو "کھیلو گے کودو گے تو ہو گے نواب" والی بات درست لگتی ہے۔ صحیح صحیح جواب دیجئے گا؟ (سیدہ حنا نورین کاظمی کراچی)

جہانگیر خان:۔ جی نہیں، جب تک تعلیم نہ ہو انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ تعلیم سے ہی انسان ترقی کرتا ہے۔ کھیل تو لاکھوں، کروڑوں انسان کھیلتے ہیں۔ اب سب ہی تو قومی سطح پر نہیں پہنچ جاتے ہیں۔ صرف چند لوگ ہی نواب بنتے ہیں باقی ....؟

سوال:۔ آپ نے اتنی جلدی اسکواش کیوں چھوڑ دی کیونکہ "ابھی تو تم جوان ہو" (محمد کاشف شیخ کراچی۔ چوہدری محمد عبدالحنان، بوریوالہ)

جہانگیر خان:۔ واقعی میری عمر کا انسان بوڑھا نہیں

انعامی سوال

سوال:۔ جہانگیر انکل اگر آپ کا پانچ لاکھ روپے کا پرائز بانڈ نکل آئے تو آپ کیا کریں گے؟ (نوید الرحمان، کراچی۔ سید معظم علی، گجرات)

جہانگیر خان:۔ تمام رقم آپ کو دے دوں گا۔ کیونکہ میرے پاس بانڈ ہے ہی نہیں .... کیوں کیسی رہی!

ہوتا لیکن کھیل میں ریٹائرمنٹ کیلئے یہی عمر صحیح ہوتی ہے۔ پھر میرے ساتھ فٹنس کا مسئلہ بھی تھا۔

سوال:۔ جہانگیر بھائی! جب آپ نے اسکواش میں مسلسل فتوحات حاصل کرنا شروع کیں تو کافی عرصے تک آپ ناقابل شکست رہے۔ دنیا کے بڑے سے بڑا کھلاڑی بھی آپ کو ہرا نہ سکا۔ اس وقت جیت آپ کی عادت بن چکی تھی۔ مگر جب چار، پانچ سال بعد آپ کو غالباً نیوزی لینڈ کے راس نارمن نے ساڑھے پانچ سو مسلسل فتوحات کے بعد ہرایا تو اس وقت آپ نے کیا محسوس کیا؟ (محمد آصف جاوید خان، ڈیرہ غازی خان، فیصل مختار، ملتان)

جہانگیر خان:۔ ہار جیت کھیل کا اک حصہ ہے۔ اور میں ہر میچ سے قبل یہ سوچ کر کھیلا کرتا تھا کہ میں ہار بھی سکتا ہوں کیونکہ دنیا میں آج تک کبھی

ایسا نہیں ہوا کہ کسی کو شکست نہ ہوئی ہو۔ اس لئے جب ایسا ہوا تو کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔

سوال:۔ جہانگیر بھائی پاکستان کے بچوں کو صرف کرکٹ اور ہاکی کھیلنے کا ہی شوق ہے۔ لیکن پھر بھی کچھ ایسے ہیں جو اسکواش کھیلنے میں دلچسپی لیتے ہیں آپ ان کو کیا پیغام دینا چاہیں گے؟ (پرنس افضل شاہین، بہاولنگر)

جہانگیر خان:۔ جو بچے اسکواش کھیلنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ خوب محنت کریں۔ پریکٹس کریں۔ اور اسکواش کے جو میچز آتے ہیں۔ ان کو ٹی۔ وی پر دیکھیں باقی اگر ان میں صلاحیتیں ہوں گی تو ان کو آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

انعامی سوال

سوال:۔ جہانگیر بھائی! رات کا وقت ہو اور آپ اکیلے ایک سنسان سڑک پر جا رہے ہوں۔ اس وقت آپ کو بھوک بھی لگی ہو اور اچانک آپ کے سامنے انواع اقسام کے کھانے آجائیں۔ اور پھر ایک غیبی آواز آئے کہ بیٹا یہ کھانا کھالو۔ تو آپ کیا کریں گے۔ کھانا کھائیں گے۔ یا ریس ہونے کو ترجیح دیں گے۔ (عماد لطیف، راولپنڈی)

جہانگیر خان:۔ ایسا کھانا کھانے سے بہتر ریس ہونا ہے۔ ویسے اگر آپ کے ساتھ ایسا ہو تو آپ کیا کریں گے؟

اس ماہ آسٹریلیا اور ساؤتھ افریقہ کی ٹیمیں پاکستان میں موجود ہیں۔ آپ لوگ ان دونوں ٹیموں میں موجود اپنے پسندیدہ کھلاڑیوں سے ان کے کھیل، زندگی و دیگر موضوعات پر سوالات پوچھ سکتے ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ یہ سوال انگریزی میں پوچھیں آپ اپنے سوالات اردو میں بھی بھیج سکتے ہیں۔ اسے ہم ترجمہ کرلیں گے۔ بس شرط یہی ہے کہ سوالات اچھے اور معلوماتی ہوں۔ اگر آپ اس سلسلے میں حصہ لینا چاہتے ہیں تو آج ہی اپنے سوالات بھیج دیں۔ پہلے موصول ہونے والے اچھے خطوط کو شائع کیا جائے گا، سب سے اچھا سوال پوچھنے والے بچے کو انعام میں پاکستان، ساؤتھ افریقہ اور آسٹریلیا کی کرکٹ ٹیموں کے کھلاڑیوں کے آٹوگراف والی آٹوگراف بک دی جائیں گی۔ جبکہ دیگر انعام تین ماہ کیلئے آنکھ مچولی اور کھلاڑی کی تصویر الگ ہے۔ اپنے سوالات درج ذیل پتے پر ارسال کریں۔

انچارج انعامی مقابلہ "آمنے سامنے" ماہنامہ آنکھ مچولی
اے، پی۔ آئی۔ بی۔ کالونی، کراچی

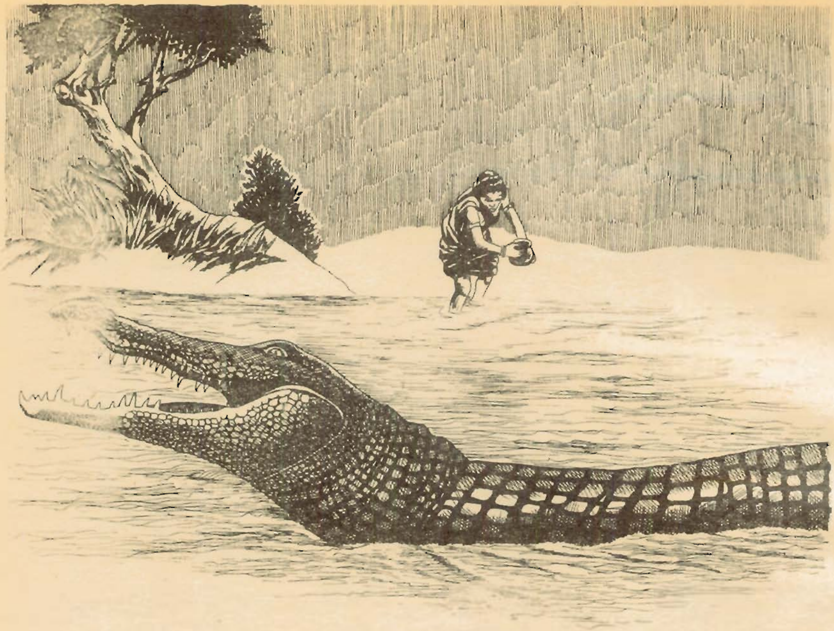

مگرمچھ کا ہاضمہ

لکڑ ہضم، پتھر ہضم

سب سے زیادہ خوفناک اور نفرت انگیز جانور مگرمچھ کہلاتا ہے۔ جتنی جانیں یہ ضائع کرتا ہے اتنی جانیں شیر، چیتے اور سانپ مل کر بھی ختم نہیں کر پاتے۔ ہر سال افریقہ میں ایک ہزار سے زیادہ افراد جن میں زیادہ تر عورتیں اور بچے ہوتے ہیں، اس درندے کی غذا بن جاتے ہیں۔ اس کی رہائش وسطی اور جنوبی افریقہ، ایشیا کے گرم علاقوں، مرطوب جزیروں اور شمالی آسٹریلیا میں ہوتی ہے۔ البتہ امریکہ کے بعض علاقوں میں مگرمچھ کی ایک خاص قسم جسے گھڑیال کہا جاتا ہے، پائی جاتی ہے۔ مگرمچھ اور گھڑیال میں واضح فرق ہوتا ہے۔ مثلاً گھڑیال کے جبڑے بند ہوتے ہوئے نمایاں رہتے ہیں جب کہ مگرمچھ کا صرف نچلا جبڑا اوپری جبڑے کے ساتھ نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کی آواز بے حد ہیبت

ہک، چنگھاڑ نما یا کسی بڑے ڈرم سے پیدا ہونے والی آواز جیسی ہوتی ہے۔ مگرمچھ کے دانتوں کی بناوٹ غیر معمولی ہوتی ہے۔ اگر اس کا کوئی دانت ٹوٹ جائے تو دوسرا فوراً اس کی جگہ نکل آتا ہے۔ ساری زندگی یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ وہ تقریباً ساری چیزیں کھا جاتا ہے۔ اس کے ہاضمے میں ہائیڈرو کلورک ایسڈ کی مقدار اتنی ہوتی ہے کہ ایک مگرمچھ نے، جو فولادی نیزوں کی انیاں اور ایک چھ انچ لمبا ہک نگل گیا تھا چند مہینوں میں حل کر دیئے۔ عام طور پر مگرمچھ کو ایک دن میں زیادہ خوراک کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ یہ ایک کلو سے بھی کم گوشت روزانہ گزارہ کر لیتا ہے۔

اس کے دو ہلاکت خیز ہتھیار اس کے خوفناک جبڑے اور اس کی خطرناک دُم ہوتے ہیں۔ اس کی طاقتور دُم کا ایک ہی وار کسی بھی عظیم الجثہ ہرن کو گرانے اور اس کی ٹانگیں توڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کا بہترین حملہ کچھ اس صورت میں ہوتا ہے کہ یہ خاموشی سے اُتھلے پانیوں میں تیرتا رہتا ہے جیسے ہی کوئی شکار اسے نظر آتا ہے یہ واپس گہرائی میں جاتا ہے اور بغیر کسی آواز کے پھر تیزی سے واپس حملہ کر کے اپنے شکار کو جبڑوں میں پھانس کر بے بس و مجبور کر دیتا ہے۔ اگر شکار بڑا ہو تو اسے کھینچ کر پانی کی گہرائیوں میں لے جاتا ہے جہاں ڈوب کر شکار ہلاک ہو جاتا ہے اور پھر یہ اسے وہیں گہرائی میں یا پانی کے کنارے لے جا کر اپنی خوراک بناتا ہے۔

مگرمچھ دنیا کے ان چند جانوروں میں شامل ہے جو گاہے گاہے انسانوں کو اپنی غذا بناتے رہتے ہیں۔ وہ جگہیں جہاں ان کو اپنی خوراک وافر مقدار میں ملتی رہے یا وہ جھیلیں جہاں مچھلیاں بہت ہوں، یہ کبھی انسانوں پر حملہ نہیں کرتا ہے مگر جب مگرمچھوں کی قدرتی غذا بالکل معدوم ہو جاتی ہے تو یہ انسانوں کے گوشت کا مزہ چکھتا ہے۔ سب کچھ ختم ہو جانے کے بعد انسان ہی ایسی سست مخلوق رہ جاتی ہے جو آسانی سے اس کا شکار بن جائے۔ زیادہ تر اس موذی کا شکار یا تو عورتیں ہوتی ہیں جو نہا رہی ہوتی ہیں، کپڑے دھو رہی ہوتی ہیں یا پانی بھر رہی ہوتی ہیں یا وہ بچے جو پانی میں چھپاکے مار رہے ہوتے ہیں۔ زیادہ تر افریقی لاپروا ہوتے ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ ان کی حفاظت افریقی وچ ڈاکٹر کرتے ہیں اس لئے ان کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔

تانگانائیکا میں ایک قبائلی سردار نے ایک انگریز آدمی کو بتایا کہ مگرمچھوں نے پچھلے دنوں ایک مہینے کے اندر پانچ عورتوں کو اپنا شکار بنالیا جب وہ پانی بھر رہی تھیں۔ یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مگرمچھ زیادہ تر اپنا شکار پانی کے کنارے ہی تلاش کرتا ہے۔ چنانچہ انگریز نے قبائلی سردار کو یہ مشورہ دیا کہ وہ لوگ ٹین کے کنستروں کو کھمبوں سے باندھ کر اس سے پانی نکالا کریں۔ سردار نے مایوسی سے سر ہلایا اور کہنے لگا "اس قسم کا ٹین بہت مشکل سے ملتا ہے اور بہت قیمتی ہوتا ہے۔"

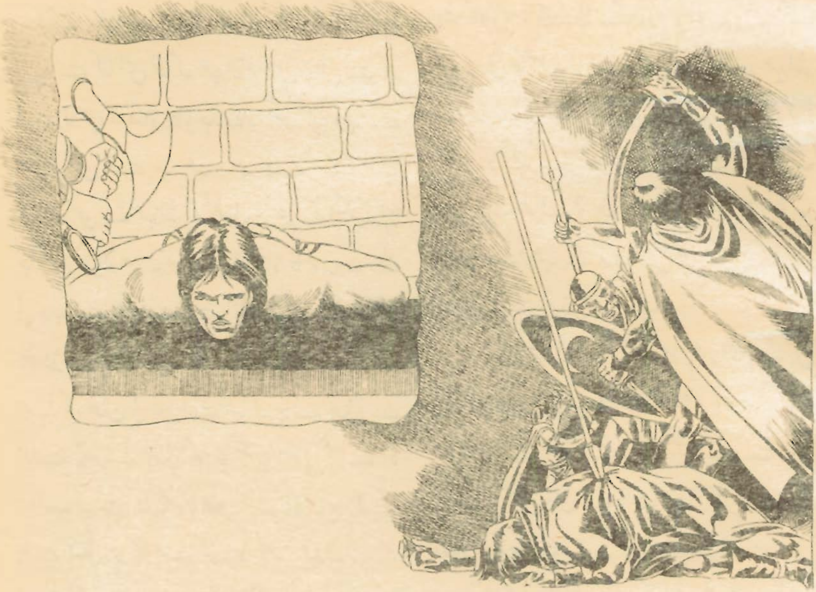

انصاف کا تقاضا

عبدالستار خان طاہر

۹۱۳ء میں عبدالرحمٰن سوم اندلس (اب اسپین) کا حکمران تھا۔ زہد و تقویٰ اور عدل و انصاف کا شیدائی تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام "عبداللہ" اور چھوٹے کا نام "الحکم" تھا۔ عبدالرحمٰن بڑھاپے کی عمر کو پہنچا تو اس نے دونوں بیٹوں میں سے ایک کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ بیٹے دونوں ذہین تھے۔ عبداللہ میں قدرے خودسری پائی جاتی تھی جو گھر کی دیواروں کے اندر تو قابلِ قبول تھی مگر ملک کی سرحدوں کے اندر ملک و ملت کے لئے نقصان کا باعث بن سکتی تھی۔ سلطان یا بادشاہ کا متحمل مزاج اور بُردبار ہونا عبدالرحمٰن کے نزدیک اچھا وصف تھا۔ چنانچہ اس نے الحکم کو اپنا جانشین مقرر کر کے اس کا اعلان کر دیا۔ دارالسلطنت میں عبدالدار نام کا ایک قانون دان اور عالم تھا لیکن وہ رتبہ پسند تھا۔ وہ توقع لئے بیٹھا تھا کہ اسے سلطنت کا قاضی القضاۃ بنایا جائے

گا۔ غالباً اسی مقصد کے لئے اس نے عبدالرحمٰن کے بیٹے کو اپنا دوست بنا رکھا تھا۔ عبداللہ نے اپنے باپ سے کہا بھی تھا کہ عبدالدّار اس قابل ہے کہ اسے قاضی القضاۃ بنایا جائے۔ مگر کسی وجہ سے عبدالرحمٰن اسے یہ عہدہ نہ دے سکا۔ اب عبدالرحمٰن نے عبداللہ کو نظرانداز کر کے الحکم کو اپنا جانشین بنایا تو عبدالدّار قاضی القضاۃ کا عہدہ نہ ملنے کی وجہ سے حکومت سے انتقام لینے کے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا۔ اس نے عبداللہ کو آلہ کار بنانے کی ٹھان لی اور اسے کہا کہ بڑے بھائی کے بجائے چھوٹے بھائی کو جانشین مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹا بھائی مسندِ اقتدار پر بیٹھ کر بڑے بھائی پر حکومت کرے گا۔ عبدالدار نے عبداللہ کو خوب اُکسایا اور بھڑکایا اور اسے یہ بھی کہا کہ وہ اپنا حق بزورِ شمشیر حاصل کرے۔ اس کا اس نے طریقہ یہ بتایا کہ عیسائی قبائل پہلے ہی در پردہ اسلامی سلطنت کو ختم کرنے کے لئے کہیں نہ کہیں مسلح بغاوت کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا عبداللہ یوں کرے کہ کسی علاقے میں چل کر عیسائی لڑاکا قبائل کو ساتھ لے لے اور سلطنت کے خلاف بغاوت کر دے۔ عبدالدّار نے اسے کہا کہ وہ اس کے ساتھ ہو گا۔

عبداللہ کی فطری خود سری نے اسے بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ جس کی وجہ سے اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا اور تخت و تاج کی ہوس نے اسے باؤلا کر دیا۔ ایک روز وہ گھر سے غائب ہو گیا۔ کچھ لوگ عبدالدار کے معتقد بھی تھے۔ اس نے ان میں سے چند آدمی ساتھ لے لئے اور کسی عیسائی قبیلے تک بھی رسائی حاصل کر لی۔ انہیں عبدالدار اور عبداللہ نے بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ وہ لوگ اس لئے فوراً آمادہ ہو گئے کہ بادشاہ کا اپنا بیٹا بغاوت میں شریک تھا۔ ایک طرف تو بغاوت شروع کر دی گئی۔ باغیوں نے قرطبہ کے گرد و نواح میں فوجی چوکیوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔

دوسری طرف عبدالرحمٰن سوم اور الحکم کے قتل کی اسکیم بنائی گئی۔ یہ کام ان مسلمانوں کو سونپا گیا جو عبدالدار کے معتقد تھے۔ وہ قتل کے لئے چل پڑے۔ لیکن دن کے وقت عبدالرحمٰن سوم کے دربار میں جا پہنچے۔

"فرماں روائے ہسپانیہ کا اقبال بلند ہو۔" ان میں سے ایک نے عبدالرحمٰن سوم کو کہا۔ "ہم آپ کو اور آپ کے بیٹے ولی عہد الحکم کو قتل کرنے آئے ہیں۔" دربار میں سناٹا طاری ہو گیا۔ عبدالرحمٰن سوم دور اندیش انسان تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ اس سازش کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے جو اسپین کے کسی نہ کسی گوشے سے سر اٹھاتی رہتی ہے۔ اور یہ لوگ کوئی راز فاش کرنے آئے ہیں۔

"تمہیں ہمارے اور ہمارے بیٹے کے قتل کے لئے کس نے بھیجا ہے؟" عبدالرحمٰن سوم نے پوچھا۔ "اور کیا وجہ ہے کہ تم نے بھرے دربار میں آ کر ہمیں للکارا ہے؟"

"ہمیں آپ کے بیٹے عبداللہ اور عبدالدّار نے

بھیجا ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "اور ہم نے فرماں روائے ہسپانیہ کو للکارنے کی جرأت نہیں کی۔ ہم عبدالدار کو ایک عالم سمجھتے تھے۔ جس کے فتوے مستند ہوتے ہیں۔ یہی باعث تھا کہ ہم اس کے معتقد تھے مگر اس نے ہم پر ثابت کر دیا ہے کہ علم اور ایمان کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ جو علم ایک عادل بادشاہ کو قتل کرنے کی اجازت دے اس سے ہم بے علم اچھے۔ ہم نے آپ کے بیٹے عبداللہ اور عبدالدار سے کہا کہ ہم آپ کو قتل کر آئیں گے لیکن ہم نے دل سے اس اقدام کو مانا نہیں۔ ہم کسی انعام کے لالچ میں مخبری نہیں کر رہے۔ ہم اسلام کی عظمت کی خاطر یہ راز فاش کر رہے ہیں کہ قرطبہ کے گرد و نواح میں سلطنت کے خلاف بغاوت شروع ہو چکی ہے اور یہ بغاوت اس تخت کے لئے ہے جس پر آپ بیٹھے ہیں۔"

"تم انعام کے مستحق ہو۔" عبدالرحمٰن سوم نے کہا۔ "اور اگر تمہارا الزام سچا نہ ہوا تو تم ہمارے حکم سے قتل ہو گے۔"

"ہم انعام کے مستحق نہیں۔" اس شخص نے کہا۔ "ہم نے آپ کی جان نہیں بچائی، ہم سلطنت کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ سلطنت صرف آپ کی نہیں ہماری بھی ہے اور یہ ہمارا اور ہر کسی کا فرض ہے کہ سلطنت کو دشمنوں سے بچائے اور فرض ادا کرنے کی اجرت نہیں لی جاتی۔" تھوڑی دیر بعد الزام سچ ثابت ہو گیا یہ اطلاع آ گئی کہ باغیوں نے فوجی چوکیوں اور فوجی قافلوں پر حملے کر کے کافی نقصان کیا ہے۔ عبدالرحمٰن سوم نے اسی وقت اپنے سالار کو حکم دیا کہ باغیوں کے خلاف فوراً فوج روانہ کی جائے اور ان کے سرغنوں کو زندہ پکڑا جائے۔ بغاوت ابھی شروع ہوئی ہی تھی باغیوں نے اتنا زیادہ نقصان نہیں کیا تھا اور ان کی تعداد بھی کم تھی۔ فوج نے انہیں بے خبری میں جا لیا۔ باغیوں نے ہتھیار ڈال دیئے عبداللہ اور عبدالدار پکڑے گئے۔ عبدالرحمٰن نے دونوں کو قید خانے میں الگ الگ کمروں میں بند کرنے اور ان کے جرم کی تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔ عبدالدار نے قید خانے میں پہلی رات ہی خود کشی کر لی۔ عبداللہ کے خلاف بغاوت اور فوج کے متعدد افراد کے قتل کا جرم ثابت ہو گیا۔ قاضی نے اس کے لئے سزائے موت لکھ دی۔ عبدالرحمٰن سوم نے اپنے بیٹے کی سزائے موت پر اپنی مہر ثبت کر دی۔ عبداللہ کے چھوٹے بھائی الحکم نے اپنے باپ سے التجا کی کہ وہ آخر آپ کا بیٹا اور میرا بھائی ہے اسے بخش دیا جائے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اپنے نوجوان بیٹے کو جلاد کے حوالے کر کے خوش رہوں گا۔" عبدالرحمٰن سوم نے کہا۔ "کل جب جلاد کی تلوار اس کا سر اس کے دھڑ سے جدا کر دے گی تو میرا دل کٹ جائے گا۔ مگر میں نے اسے زندہ رہنے دیا تو یہ سلطنت کٹ کر ختم ہو جائے گی۔ عبداللہ کے مرنے پر صرف میں روؤں گا، تم روؤ گے، تمہاری ماں اور بہنیں روئیں گی، مگر وہ زندہ رہا تو اسلام کی تاریخ

رنگ بدلتی خبر

مرسلہ: راحیل ثمیر۔ (؟)

جب فرانس سے باہر رہنے کے دوران پنولین کے علم میں آیا کہ فرانس داخلی بغاوت اور انتشار کا شکار ہو چکا ہے اور اس کی جگہ ایک اور شخص نے اقتدار پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ اپنی فوج کے ساتھ واپس ہوا۔ جب اس کی واپسی کی خبر مشہور ہوئی تو فرانس کے اخباروں نے اس خبر کو اس سرخی کے ساتھ شائع کیا۔ "وحشی درندہ ابھی فرانس کی طرف بڑھ رہا ہے۔" نپولین فرانس کی سرحدوں کے قریب پہنچا تو خبر لگائی گئی "قاتل فرانس کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔" جب وہ فرانس میں داخل ہو گیا تو اخباروں کی یہ سرخی تھی "نپولین بونا پارٹ فرانس میں داخل ہو چکا ہے۔" اور جب نپولین پیرس سے چند میل کے فاصلے پر رہ گیا تو اخباروں کی نمایاں سرخی یہ تھی "عالی مرتبت جہاں پناہ فرانس کل پیرس میں جلوہ افروز ہو رہے ہیں۔"

روئے گی۔" الحکم اپنے باپ کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"سن میرے بیٹے!" عبدالرحمٰن سوم نے کہا۔ "اگر میں اسے بخش دوں تو میرے بعد یہ بادشاہت تم دونوں کے درمیان جھگڑے کی وجہ بنی رہے گی۔ تم دونوں کی توجہ ملک اور قوم سے ہٹ جائے گی تم ایک دوسرے کے تختے الٹو گے۔ زبردستی ایک دوسرے سے بادشاہی چھینو گے۔ ایسی قومیں ہو گزری ہیں جنہیں چند ایک آدمیوں کی ہوسِ تاج و تخت نے تباہ کر دیا تھا۔ سزا صرف ان لوگوں کو نہیں ملتی جو حکومت کے لالچی ہوتے ہیں بلکہ پوری قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ ہم کفار میں گھرے ہوئے ہیں، پورا عالمِ اسلام کفار میں گھرا ہوا ہے۔ تم دونوں بھائیوں میں سے صرف ایک کو زندہ رہنا چاہئے۔ عبداللہ مر جائے گا تو صرف ہم روئیں گے اور اگر تم دونوں زندہ رہے تو ہماری قوم کی نہ جانیں کتنی عورتیں بیوہ ہوں گی، نہ جانے کتنے بچے یتیم ہوں گے، نہ جانیں کتنی مائیں اپنے جوان بیٹوں کی موت پر روئیں گی، ملک میں قحط پڑ جائے گا، بدامنی اور بدنظمی کا دور دورہ ہو گا اور تم دونوں بھائی اپنے اپنے گروہ بنا کر حکومت حاصل کرنے میں لگے رہو گے۔ اور پھر الحکم یہی جرم جو عبداللہ نے کیا کوئی اور کرتا تو اسے فوراً جلاد کے حوالے کر دیا جاتا...... تو کہتا ہے کہ میں تیرے بھائی کا یہ گناہ معاف کر دوں...... کیا تو اپنے خاندان کی تاریخ میں یہ ذلت شامل کرنا چاہتا ہے کہ اس خاندان کے ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کا بغاوت کا جرم معاف کر دیا تھا۔ میں ملک اور قوم اور انصاف کی خاطر اپنے بیٹے کو قربان کرتا ہوں۔" دوسری صبح عبداللہ کو جلاد کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ ۹۴۹ء کا واقعہ ہے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ اپنے بیٹے کی وفات کے بعد عبدالرحمٰن سوم نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور حکومت مکمل طور پر اپنے بیٹے الحکم کے سپرد کر دی۔ کیونکہ وہ ایک سلطان اور انصاف پسند حکمران کے علاوہ ایک باپ بھی تھا۔ ۹۶۱ء میں عبدالرحمٰن سوم اپنے خالق سے جا ملا۔

بچّوں کیلئے انمول تحفہ

ڈرامے، گیت، مزاحیہ خاکے، خبریں، معلوماتی پروگرام اور بہت بہت کچھ

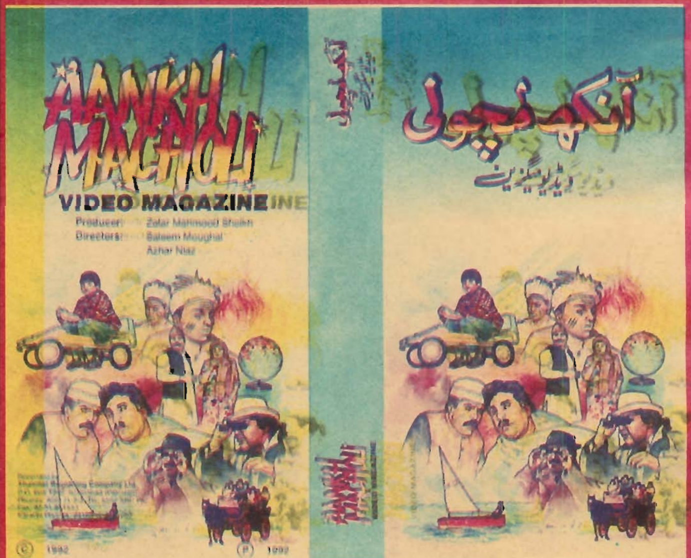

فن کار : ظل سبحان، نگہت بٹ، قاسم حبیبی، جمشید انصاری، لطیف منّا، نجیب اللہ انجم، شاہد اسماعیل اور بہت سے دوسرے۔
موسیقی : ارشد محمود ، پروڈیوسر: ظفر محمود شیخ، ہدایات : سلیم مغل، اظہر نیاز !

ویڈیو میگزین
آنکھ مچولی

آج ہی طلب فرمائیے

قیمت: 150 روپے

Aankh Macholi Video Magazine
1 - PIB Colony Karachi

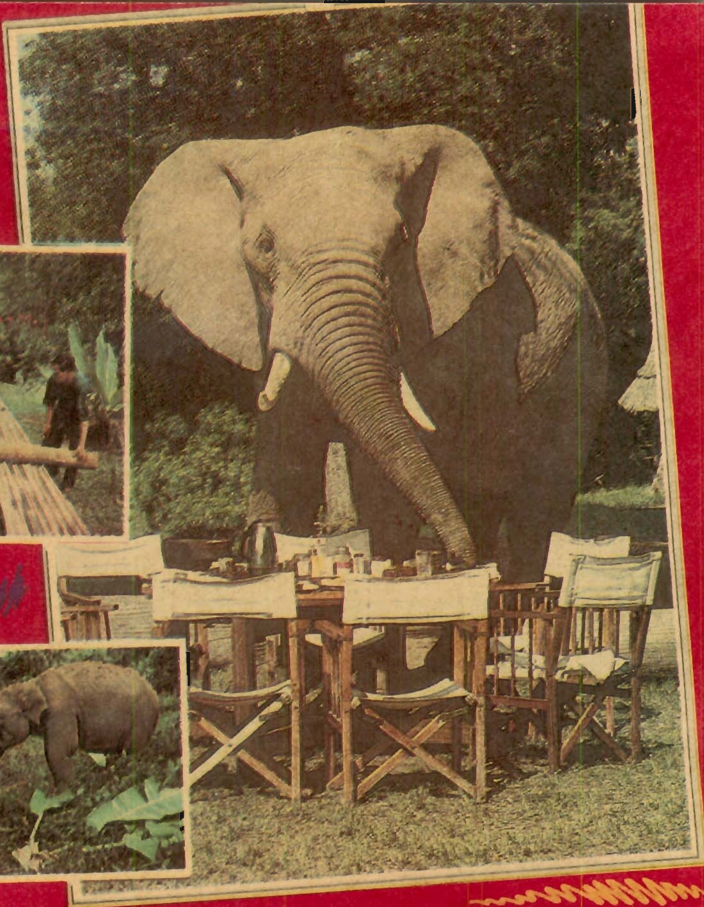

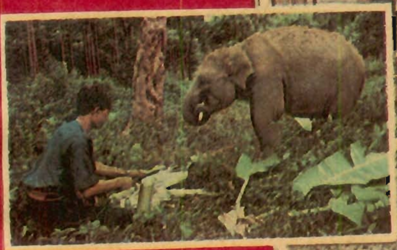

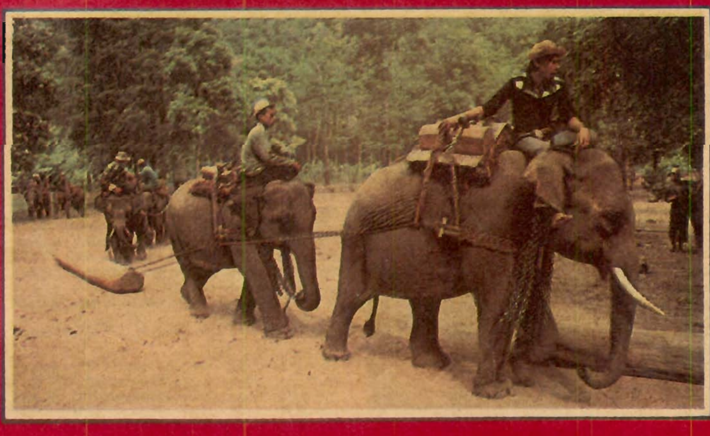

ہاتھی سب کا ساتھی

اقبال جہاں فاروقی

ہاتھی میرا ساتھی یہ ایک پاکستانی فلم کا نام ضرور ہے لیکن دنیا کے کئی ممالک میں، جن میں بھارت، تھائی لینڈ، سری لنکا اور افریقہ کے ملک شامل ہیں یہ ایک حقیقت ہے کہ ہاتھی لوگوں کی زندگی کا ساتھی ہے جو ان کے ساتھ روزگار پیدا کرنے میں ہاتھ بٹاتا ہے جنگلات میں بھاری شہتیروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا، چڑیا گھروں میں بچوں کو سیر کرانا، سرکس میں تماشے دکھانا، فلموں میں اداکاری، بادشاہوں کے لئے سواری، حملہ آور فوجوں کے لئے خوف و دہشت کونسا کردار ہے جو ہاتھی ادا نہیں کر چکے یا کر رہے ہیں اور تو اور کہتے ہیں ہاتھی مر جائے تو بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھی کے دانت بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ دواؤں کی تیاری کے علاوہ زیورات اور سجاوٹ کی اشیا کی تیاری میں کام آتے ہیں۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ دنیا کے کئی ممالک میں انسانی زندگی میں ہاتھیوں کو....... استعمال کے قابل بنانے کے لئے اسکول قائم ہیں ایسا ہی ایک تربیتی ادارہ تھائی لینڈ کے صوبہ لمپانگ میں بھی ہے۔ نونہال ہاتھیوں کی تربیت کا مرکز لمپانگ ہاتھیوں کو پیدائش کے فوراً بعد یہاں داخل کیا جاتا ہے اور ایک مہاوت (ہاتھیوں کو تربیت دینے والا) تقریباً سات برس انہیں تربیت دیتا ہے۔

ہاتھیوں کی تربیت کے مرکز میں باقاعدہ روزانہ صبح چار گھنٹے کے لئے کلاس ہوتی ہے۔ وقفہ برائے آرام ہوتا ہے اور گرمیوں کی چھٹیاں بھی۔ لیکن ہوم ورک نہیں ہوتا۔ مہاوت ہاتھیوں کو اگلے پیروں پر جھکنے، شہتیروں کو اٹھانے، لے جانے انہیں اکٹھا رکھنے اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی تربیت دیتا ہے ہاتھیوں کو ۲۶ مختلف اشارے سکھائے جاتے ہیں اور تربیت مکمل کرنے کے بعد جہاں ہاتھی کام کرتا ہے وہیں لوگ بھی ساری زندگی اس کا خیال کرتے ہیں۔ ہاتھی کو گنّے بہت پسند ہیں جب بھی کوئی ورکر ہاتھی زیادہ کام کر کے مالک کو خوش کرتا ہے تو اس انعام میں اسے گنے کھانے کو ملتے ہیں۔ عموماً صبح ناشتے میں ہاتھی کو کیلے کے پتے اور تنے کا گودا ملتا ہے۔ اور ٹھنڈے پانی کو سونڈ میں بھر کر اپنے جسم پر پھینکنا تو ہاتھی کو بہت پسند ہے جب ایک مہاوت کسی ہاتھی کو تربیت دیتا ہے تو اکثر زندگی کے اگلے پچاس برس دونوں کے ساتھ ساتھ گزر جاتے ہیں۔ ہاتھی کی عمر عموماً ساٹھ برس ہوتی ہے۔

کوڈو کنڈیکٹر اور ٹکٹ

——·····نعیم مشتاق نومی

کل پرسوں کی بات ہے۔ میرا دوست باری مجھے ملنے آیا ہوا تھا۔ پہلے میں نے اسے اپنی نگری "کلر کہار" کی سیر کرائی۔ وہ بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا۔ "یار نومی! تم تو قسم سے جنت میں رہتے ہو۔ یہاں کوئی اور بھی تاریخی جگہ ہے دیکھنے والی؟"

"ہاں! ہے ...... مگر یہاں سے کچھ دور ......!" میں نے جواب دیا۔

"کیا نام ہے جگہ کا......؟"

"کٹاس ......!" میں نے کہا "وہاں کائی مندر اور پرانی عمارتیں ہیں......!"

باری نے کہا۔ "ابھی چلو! ...... ابھی اور اسی وقت......!"

اس نے مجھے اتنا مجبور کیا کہ مجھے اس کی بات ماننا پڑی۔ اور یوں ہم کلر کہار چوک سے چوآسیدن شاہ والی بس میں سوار ہو گئے۔

ہماری بس نے رینگ رینگ کر سفر کا آغاز کیا۔ خیرپور کے نزدیک ہمیں اپنے عقب میں، بس کے اندر کچھ ہلچل سی محسوس ہوئی۔

"کیا ہو رہا ہے ......؟" باری نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"شائد لڑائی ......!" میں نے بھی مڑ کر دیکھا۔ ایک چالیس سالہ آدمی، بالکل پچھلی سیٹ کے قریب بس کے فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔

"ہم سے پچھلی سیٹ والے بھی مڑ کر پیچھے دیکھ رہے تھے۔

میں نے ان میں سے ایک کا بازو ہلایا۔

"بھائی صاحب! کیا ہوا ہے؟ ...... کیا معاملہ ہے؟ ......" میں نے پوچھا۔

"ہم بھی آپ ہی کی طرح لاعلم ہیں ......" اس آدمی نے جواب دیا۔

"کچھ پتا نہیں کیا معاملہ ہے؟ ......" اس کے ساتھ والا بولا۔

اگلی سیٹ والوں نے ہم سے پوچھا "یہ کیا چکر ہے؟ ...... کوئی لڑائی وغیرہ تو نہیں ......؟"

"پتا نہیں جناب! ......" باری نے جواب دیا "ہم تو خود دوسروں سے پوچھ رہے ہیں آپ کو کیا بتائیں ......؟"

چند لمحوں میں ہمیں پتا چل گیا کہ یہ لڑائی نہیں۔ بلکہ کوئی اور ہی چکر ہے۔ اسی دوران ڈرائیور کی توجہ بس میں ہونے والی بھنبھناہٹ کی طرف مبذول ہوئی۔ اس نے سامنے اوپر لگے ہوئے شیشے میں دیکھا۔ پھر چیخ کر بولا "اوئے کوڈو ......؟"

"جی استاد جی ......!" بس کے پچھلے حصے سے جواب ملا۔ وہ بس کا کنڈیکٹر کوڈو تھا۔ کوڈو اس لئے کہ اس کا قد بہت چھوٹا تھا۔ مگر تھا بہت تیز۔

"یہ پچھے کیا ہو رہا ہے ......؟" ڈرائیور نے بلند آواز میں پوچھا۔

"استاد جی! ...... ایک آدمی کا کھیسا کٹ گیا ہے ......!" کوڈو نے فوراً نشریاتی رابطے پر بتایا۔ کیونکہ وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا کہ کہاں ہے؟

"کھیسا کٹ گیا ہے ......!!!" ڈرائیور نے فوراً بریک لگا دیئے۔ اور ہمارے سر سیٹوں سے جا ٹکرائے۔

"نان سنس ......!" باری تلملا کر بولا۔ کیونکہ اس کا سر کافی زور سے ٹکرایا تھا۔

اس کی تلملاہٹ اور بڑبڑاہٹ پر میں مسکرانے لگا۔ مگر منہ دوسری طرف کر کے۔ کیونکہ اگر باری میری مسکراہٹ دیکھ لیتا تو میری کمر پر ایک عدد مکا ضرور نازل ہوتا۔ اور باری کا ہاتھ تو ہے بھی ماشاءاللہ ایک باکسر کا۔

بس پر سوار ہر شخص کسی نہ کسی شے سے ٹکرایا تھا۔ سوائے ڈرائیور کے۔ ہر ایک نے ایک لمحے کے لئے ڈرائیور کو گھورا۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ اصل مسئلے کی طرف دوبارہ متوجہ ہو گئے۔

"کتنے پیسے تھے بھائی جی ......؟" ایک آدمی نے پوچھا۔

"دس ہزار تھے ......!" جواب ملا۔

"کہاں سے بیٹھے ہیں ......؟"

"کرولی چوک سے ......!"

"کس سیٹ پر تھے......؟"

"پچھ والی سیٹ پر......!" اس نے آخری سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"ہو سکتا ہے رقم گھر ہی بھول آیا ہو......!" ایک طرف سے آواز آئی۔

"گھر نہیں بھولا میں......" اس نے پلٹ کر کہا۔"میں نے خود پیسے اپنی جیب میں ڈالے تھے۔"

"لئے کہاں سے تھے......؟" وہی آواز ابھری۔

"چوک پر ہی لئے تھے...... ایک آدمی سے......" اس نے بتایا۔"اس نے ادھار لیا ہوا تھا...... آج اس نے واپس کیا ہے......!"

"اچھا واپس کیا ہے......!" کوئی ہنس کر بولا۔

"تمہارے ساتھ کون بیٹھا تھا......؟" پوچھا گیا۔

یہ سن کر وہ شخص چونکا۔

"میرے ساتھ ایک نیلے کپڑوں والا آدمی بیٹھا تھا......" اس نے کہا۔"جو کچھ دیر بعد اٹھ کر آگے چلا گیا تھا......!"

بات کرتے ہوئے وہ تیزی سے چلتا ہوا بس کے اگلے حصے میں آگیا۔ اور ہمارے بائیں ہاتھ والی سیٹ کے قریب رک کر اس شخص سے بولا، جس نے نیلے کپڑے پہن رکھے تھے۔" آپ ہی میرے پاس بیٹھے تھے نا......؟"

"جی ہاں! میں ہی تھا......!" نیلے سوٹ والے نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

"تلاشی دیجئے......!" وہ بولا۔

"جی شوق سے......!" نیلے کپڑوں والے نے سیٹ سے اٹھ کر دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔

اس نے تلاشی لی۔ کپڑوں کی، جوتوں کی، جرابوں کی۔ سامان کی۔ مگر بے سود۔ اس کے پاس وہ رقم نہ تھی۔

"بھائی جی!...... آپ یوں کریں...... گاڑی تو ویسے بھی کھڑی ہے...... باری باری سب کی تلاشی لے لیں......!" کسی نے مشورہ دیا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے......" سب نے تائید کی

"اس طرح بھائی جی کی تسلی بھی ہو جائے گی...... اور اگر کسی نے رقم چرائی ہوگی تو...... وہ بھی بر آمد ہو جائے گی......"

"اس طرح کرتے ہیں...... میں نیچے کھڑا ہوتا ہوں...... باری باری ایک آدمی نیچے آئے گا...... اور تلاشی دے گا...... اور تلاشی ہم دونوں لیں گے۔" ایک آدمی نے اپنی اور پھر اس شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ جس کی رقم غائب ہوئی تھی۔

میں نے غور سے اس شخص کا جائزہ لیا۔ وہ چہرے، مہرے، اور انداز سے کوئی پولیس والا معلوم ہوتا تھا۔

اس کی بات سے سب نے اتفاق کیا۔ یوں وہ دونوں بس سے نیچے اتر گئے۔ اور باری باری سب کی تلاشی شروع ہو گئی۔ ایک کے بعد ایک سب

بھگت گئے۔ مگر رقم کسی سے نہ بر آمد ہوئی۔
باری نے کہا "بھائی صاحب! آپ نے ان کی تلاشی لی......؟" اس نے اس شخص کی طرف اشارہ کیا۔ جو تلاشی لینے میں اس کی مدد کر رہا تھا۔
"نہیں......!" رقم والے آدمی نے نفی میں سر ہلایا۔
"کیا آپ تلاشی دیں گے ......؟" ایک طرف سے آواز آئی۔
"جی ضرور ......!" تلاشی لینے والے نے کہا۔
اس کی تلاشی لی گئی۔ مگر بے سود۔ رقم اس کے پاس بھی نہ تھی۔
" آپ کی رقم میں کون کون سے نوٹ تھے ......؟" باری نے پوچھا۔
"سب کے سب ہزار والے تھے......!" اس نے بتایا۔
"ہم سب نیچے کھڑے ہیں...... آپ بھائی جی بس میں جاکر، پوری بس کی تلاشی لے لیں......" قریب ہی کھڑے ایک ...... آدمی نے کہا۔
"ہاں بالکل! ...... کیونکہ کرولی چوک کے بعد ابھی تک کوئی سواری نیچے نہیں اتری......!" کوڈو بولا "لہٰذا اگر یہ رقم کسی نے چرائی ہے ...... تو وہ ابھی تک باہر نہیں گئی ...... اور چونکہ وہ کسی کی بھی جیب سے نہیں نکلی......اس لئے وہ بس کے اندر ہی ہو گی......!"
"واہ اوئے کوڈو پُتّر! ...... تُو تو بہت ذہین ثابت ہوا ہے ......" بس ڈرائیور تعریفی لہجے میں بولا "کیا بات کی ہے تو نے! ...... واہ! ......"
تقریباً سب ہی نے باری باری کوڈو کو سراہا۔
یوں وہ آدمی، جس کی رقم چوری ہوئی تھی، بس کے اندر چلا گیا۔ اور لگا تلاشی لینے۔ کافی دیر بعد وہ جب باہر نکلا تو اس کے چہرے کی پریشانی اور بڑھ چکی تھی کیونکہ اب آخری امید بھی دم توڑ چکی تھی۔
پوری بس، اور بس کے تمام مسافر اس کے سامنے تھے۔ اور وہ خود ان کی تلاشی لے چکا تھا۔ لیکن رقم کا کہیں پتا نہ تھا۔
"بھائی جی!" باری نے اس شخص سے کہا "تسلّی سے تلاشی لی ہے آپ نے......؟"
"ہاں!......" وہ بجھے بجھے لہجے میں بولا۔
"ہر کونا کھُدرا دیکھ لیا ......؟" باری نے پوچھا۔
"کونا کھُدرا......!!!" وہ چونکا "کیا مطلب......؟"
"مطلب یہ ہے جناب! ...... سامان تو آپ نے یقیناً چیک کیا ہے......" باری بولا "مگر کیا...... ادھر ادھر...... سیٹ کے آگے پیچھے اوپر......؟ دائیں بائیں بھی دیکھا آپ نے......؟"
"نہیں......!" وہ ہِٹ بِٹ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
تو جایئے پھر...... جاکر دیکھئے!......" باری نے کہا "ہو سکتا ہے...... کچھ بن ہی جائے......!"
وہ شخص ایک بار پھر بس کے اندر چلا گیا۔ کافی

دیر گزر گئی۔

"ارے بھائی! ...... یہ آدمی اندر جا کر کہیں سو تو نہیں گیا......!" ایک شخص اکتائے سے لہجے میں بولا۔

"ارے بھائی جی! ...... سو کیسے سکتا ہے بے چارہ ......" دوسرا بولا "دس ہزار گئے ہیں بے چارے کے ...... نیند کہاں سے آئے گی بھلا ......!"

"آج تو اچھے پھنسے ہیں ......" ایک اور شخص بولا "ایک گھنٹہ ہو گیا ہے ...... یہاں کھڑے ذلیل ہو رہے ہیں ...... ارے بھئی! ...... اگر رقم کسی کے پاس ہوتی تو اب تک مل گئی ہوتی ......!"

"بیٹا! ...... جسے چوٹ لگے نا! ...... درد کا احساس اسی کو ہوتا ہے ......!" ایک بزرگ بولے۔

وہ شخص اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

"اوئے کوڈو پتر ......!" ڈرائیور نے ہانک لگائی۔

"جی استاد جی ......!" کوڈو جن کی طرح فوراً حاضر ہو گیا۔

"اوئے جا! ...... دیکھ جا کے ...... اس کی تلاشی ختم ہوئی یا نہیں ......!" ڈرائیور بولا۔

"اچھا استاد جی ......!" کوڈو نے کہا۔ اور پھرتی سے بس کے اندر پہنچ گیا۔

اس وقت وہ شخص بس کے پچھلے حصے کی تلاشی لے رہا تھا۔ کوڈو بھی اس کی مدد کرنے لگا۔

چند لمحے بعد کوڈو اور اس شخص کی مسرت سے لبریز آواز، بلکہ چیخ سنائی دی۔ شائد انہیں رقم مل گئی تھی۔

"رقم مل گئی ہے استاد جی! ......" کوڈو نے چیخ کر اطلاع پہنچائی۔

"شکر ہے خدا کا ...... شکر ہے ......" ایک عورت بولی۔

"جان چھوٹی اس مصیبت سے ......!" ایک اکتایا ہوا شخص بولا۔

"شکر الحمدللہ ......!" بزرگ بولے۔

"مبارک ہو میاں!" ایک منچلا "گواچی گاں قسمت والوں ہی کو ملتی ہے ......!"

"مگر یہ ملی کہاں سے؟ ...... کس کے سامان سے؟" ...... دوسرا بولا۔

"ہاں بالکل! ...... یہ پتا تو چلنا چاہئے کہ چور ہے کون؟ ......" تیسرے شخص نے تائید کی۔

اس وقت تک کوڈو اور وہ شخص، جس کی رقم تھی، بس سے نیچے اتر کر سواریوں کے پاس پہنچ چکے تھے۔

"ہاں کوڈو!" ڈرائیور نے کہا "کہاں سے ملی رقم ......؟"

"دروازے کے ایک طرف ڈنڈے کے نیچے سوراخ میں پھنسی ہوئی تھی استاد جی ......!" کوڈو نے بتایا "اور میرا خیال ہے ...... چور نے بس سے نیچے اترتے وقت سوراخ میں ڈالی ہوگی ...... تاکہ بعد میں وہاں سے نکال بھی لے ......!"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو......!" ایک آدمی بولا
"بالکل اسی طرح ہوا ہوگا......!"
"مگر وہ ہے کون؟......" ایک منچلا لڑکا بولا
"وہ فنکار سامنے تو آئے...... تاکہ ہم اس کی قدر کریں......"
"کیونکہ ہم فن کی قدر کرنا جانتے ہیں......!"
دوسرا منچلا بولا"قدر دان جو ہوئے ہم......!"
"رقم اسی نے وہاں پھنسائی ہوگی...... جو سب سے آخر میں بس سے نیچے اترا ہوگا......" باری اس وقت پورا جاسوس بنا ہوا تھا۔
سب ایک دوسرے سے پوچھنے لگے،"کون اترا تھا آخر میں......؟"
"یہ بات تو وہی بتلائے گا......جو تلاشی لے رہا تھا......!" میں نے کہا۔
تلاشی لینے والے تھانیدار سے پوچھا گیا" آپ نے کس کی تلاشی لی تھی سب سے آخر میں......؟"
اس نے باری باری سب کو گھورا پھر نفی میں سر ہلا کر بولا "کچھ یاد نہیں ٹھیک سے......"
"پھر بھی...... اندازہ تو ہو گا......!" ایک بولا۔
"اندازے سے کوئی بے گناہ بھی پھنس سکتا ہے......!" اس نے کہا۔
"ارے چھوڑو میاں! قصہ ختم کروں......!" ایک بزرگ بولے۔" چیز ملنا تھی...... مل گئی...... اب فضول میں کیوں وقت ضائع کرتے ہو......؟"
"چلو بھائی!...... بیٹھو اپنی اپنی سیٹ پر......!" ڈرائیور نے کہا۔
سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور تبادلہ خیال کرتے ہوئے اپنی اپنی سیٹوں پر جا بیٹھے۔
اچانک کوڈو کو کچھ ہو گیا۔ وہ یکایک پرجوش نظر آنے لگا۔ اس نے فوراً جا کر ڈرائیور سے کچھ کہا۔ ڈرائیور اپنے گیٹ سے بس سے نیچے اتر گیا۔ کوڈو اسے بس سے چند قدم کے فاصلے پر لے گیا۔ پھر سرگوشیوں میں کچھ سمجھانے لگا۔
ڈرائیور اور کنڈیکٹر تھوڑی سی کھسر پھسر کے بعد واپس آگئے۔ اندر آکر انہوں نے ہیلپر کی مدد سے ڈرائیور گیٹ اور بس کے دونوں دروازوں کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر ڈرائیور نے اپنی جان پہچان والے ایک آدمی کو اٹھا کر پچھلے دروازے پر بھیج دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے کنڈیکٹر کوڈو سے بولا۔
"اب تم اپنا کام کرو......!"
"بس اپنا اپنا ٹکٹ نکال لیں جی......!" کوڈو نے بلند آواز کہا۔
یہ سن کر سب نے اپنی اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالا۔ اور اپنے اپنے ٹکٹ نکال لئے۔ ہم دونوں نے بھی اپنا کنسیشن ٹکٹ نکال لیا۔
کوڈو نے پچھلی سیٹ سے چیک کرنا شروع کیا۔ اور بالآخر ہم سے پیچھے تین والی سیٹ کے بائیں جانب دو والی سیٹ کے قریب آکر رک گیا۔
"ہاں جی!...... ٹکٹ......؟" کوڈو نے

پوچھا۔

"وہ ...... وہ تو کہیں گر گیا ہے ......!" اس شخص نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر تو آپ کو نیا ٹکٹ لینا پڑے گا......!" اس کے بعد کوڈو نے بلند آواز ان لوگوں سے پوچھا۔ جن کے ٹکٹ ابھی اس نے چیک نہیں کئے تھے "اور بھی کسی کا ٹکٹ گم ہوا ہے......؟"

سب نے جواب دیا "نہیں! ...... ہمارا ٹکٹ ہمارے پاس ہے......!"

کوڈو نے سب کے ٹکٹ چیک کئے۔ پھر واپس اسی شخص کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ جس کے پاس ٹکٹ نہیں تھا۔

پوری بس اس کی طرف پُرتجسّس نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ اب کوڈو کیا کرنے والا ہے؟

مجھے لگتا ہے ...... اس نے چور ڈھونڈ لیا ہے ......!" باری نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

کوڈو نے اپنی جیب سے ٹکٹ بک نکالی۔

"جی جناب! ...... کہاں جانا ہے......؟" کوڈو نے پوچھا۔

ڈھٹھ کوٹ ......!" اس شخص نے جواب دیا۔

"مگر پہلے تو آپ نے کہیں اور کا ٹکٹ لیا تھا ......!" کوڈو نے کہا۔

"جی ہاں! ...... مجھے یاد ہے ...... اس نے مگھال کا ٹکٹ لیا تھا......!" اس کے ساتھ بیٹھے آدمی نے کہا۔

"اور جناب عالی!" کوڈو نے پوری بس کو مخاطب کر کے کہا "اب خوشخبری سنیں!......"

"کیا چور پکڑ لیا ہے تم نے......!" پیچھے سے کسی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں! ......میں نے چور پکڑ لیا ہے ......!" کوڈو فخر سے بولا۔

"کیسے......؟" سب چونک اٹھے۔

"وہ ایسے ...... کہ جب ہمیں دروازے والے سوراخ سے دس ہزار روپے ملے ...... تو اس کے ساتھ ایک ٹکٹ بھی تھا......" کوڈو نے کہا پھر جیب سے ایک ٹکٹ نکال کر سب کو دکھاتے ہوئے بولا "یہ ہے وہ ٹکٹ جو مگھال تک کا ہے ......اور بھائی جی نے بھی......" اس نے بغیر ٹکٹ شخص کے ساتھ بیٹھے آدمی کی طرف اشارہ کیا "تصدیق کر دی ہے کہ اس نے مگھال کا ٹکٹ لیا تھا...... پوری بس کے پاس ٹکٹ ہے ...... اس کے پاس نہیں ہے......اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے......ذرا سوچیں......!"

اس شخص نے بھاگنے کی کوشش کی مگر کیسے بھاگتا؟ دروازے بند تھے۔ اور پہریدار موجود۔ بس پھر کیا تھا؟ جیسے ہی وہ پکڑا گیا۔ اس کی دھنائی شروع ہوگئی۔

"بہت چالاک بنتا ہے ......!" ایک نے مکا مارا۔

"چور دا پُتّر......!" دوسرے نے منہ پر تھپڑ

مارا۔

"بھاگتا ہے بے شرم ......!" تیسرے نے بالوں سے پکڑ کر لٹالیا۔

بے چارہ بُری طرح مار کھانے لگا۔ ان دس ہزار کی خاطر، جن میں سے وہ ایک پیسہ بھی نہ لے سکا تھا۔

"جرم کا ہمیشہ یہی انجام ہوتا ہے...... مگر مجرم پھر بھی جرم کرتا ہے......" باری افسوس سے سر ہلا کر بولا "نہ جانے کیوں......؟"

"وہ اس لئے بیٹا! ......" اگلی سیٹ پر بیٹھے بزرگ بولے۔ "کہ وہ بھول جاتا ہے ...... سو دن چور کے ...... ایک دن شاہ کا......!"

"چلو بھائی! ...... اب تھانے چلو......!" ایک آدمی نے ڈرائیور سے کہا۔

"تھانے نہیں...... اس کے سسرال......!" ایک لڑکے نے کہا۔

یہ سن کر سب ہنسنے لگے .... اور ہماری بس یو ٹرن لے کر واپس کلر کہار کی طرف مڑ گئی..........!!!

آنکھ مچولی ___ تحریری مباحثہ

تبصرے، تجزیئے اور اظہارِ رائے کی صلاحیت کو فروغ دینے کے لئے ماہنامہ آنکھ مچولی طلبا و طالبات کے مابین ایک تحریری مباحثے کے انعقاد کا اعلان کرتا ہے۔۔

مباحثے کی قرارداد یہ ہے

" لڑکیاں زیادہ بہادر ہوتی ہیں "

طالبات قرارداد کے حق میں اور طلبہ اسکی مخالفت میں اپنے اپنے دلائل، خوبصورت اور مختصر تقریری انداز میں تحریر کر کے ۱۰/نومبر ۹۴ء تک بھجوادیں اوّل، دوم اور سوم آنے والوں کو تین بہترین انعام دیئے جائیں گے۔ جبکہ بقیہ خوبصورت تحریریں وقتاً فوقتاً شائع کی جاتی رہیں گی۔

تحریری مباحثہ :۔ ماہنامہ آنکھ مچولی، ا۔ پی آئی بی کالونی کراچی

ادارہ

عکس ادھورے کیجیے پورے

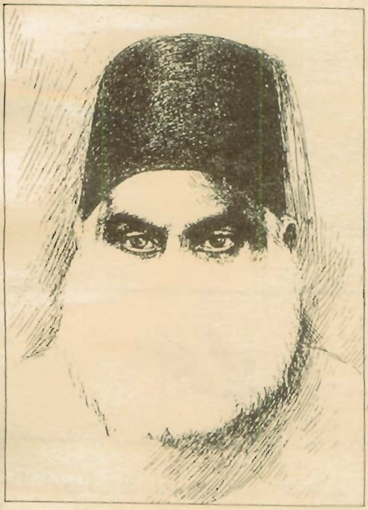

اِس مقابلے میں ہم ہر ماہ کسی ایک شعبے سے تعلق رکھنے والی، دُنیا کی دو معروف شخصیات کے ادھورے خاکے شائع کرتے ہیں۔ آپ کو ان شخصیات کو پہچاننا ہے اور ان کی وجۂ شہرت بتانا ہے۔ آپ کی معلومات میں اضافے کے لیے آئندہ ماہ ہم صحیح جوابات کے ساتھ ان لوگوں کے مختصر حالاتِ زندگی بھی شائع کریں گے۔ بالکل صحیح جواب دینے والے ساتھی کو تین ماہ کے لیے ماہنامہ آنکھ مچولی مفت ارسال کیا جائے گا۔ ایک سے زیادہ درست حل موصول ہونے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا جائے گا۔ مقابلے میں شرکت کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

- ☐ جوابات الگ کاغذ پر صاف صاف تحریر کیے جائیں۔
- ☐ ہر ماہ کی دس تاریخ تک ادارہ کو موصول ہو جائیں۔
- ☐ جوابات کے ساتھ بھیجنے والے کا مکمل پتا ضرور ہو۔

ان تین شرطوں میں سے کسی ایک بھی شرط کے پورا نہ ہونے پر جوابات کو مقابلے سے خارج کر دیا جائے گا!

پتا: انچارج انعامی مقابلہ "عکس ادھورے، کیجیے پورے"
ماھنامہ آنکھ مچولی، ۱-پی آئی بی کالونی، کراچی ۷۴۸۰۰

گزشتہ ماہ کے

درست جوابات

وجہ شہرت۔ سائنس دان

ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی

ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی، چوہدری خلیق الزماں کے چھوٹے بھائی تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم حاصل کی۔ طب سے دلچسپی کے باعث حکیم اجمل خان مرحوم ان پر خاص توجہ فرماتے تھے۔ اور انہی نے صدیقی صاحب کو ۱۹۲۴ء میں جرمنی بھیجا۔ جہاں انہوں نے "چھوٹی چاند" نامی بوٹی پر ریسرچ کی۔ جرمنی سے واپسی پر وہ طبیہ کالج دہلی کے ریسرچ کے شعبہ کے ناظم مقرر ہوئے اور تحقیقاتی کام جاری رکھا۔ انہوں نے اجملین کے نام سے اس کا جوہر نکالا جو آج یورپ میں بھی ہائی بلڈ پریشر، ہسٹریا، جنون اور دیوانگی جیسے امراض کا مصدقہ علاج تسلیم کیا جاتا ہے۔ صدیقی صاحب کی خدمات کے پیش نظر فرینکفرٹ یونیورسٹی جرمنی نے انہیں ڈاکٹریٹ کی سند عطا کی۔

اپنے آخری ایام میں ڈاکٹر صاحب کراچی یونیورسٹی سے منسلک تھے۔ آپ کا انتقال ۱۴ اپریل ۱۹۹۴ء کو ہوا۔

وجہ شہرت سائنس دان

البرٹ آئن اسٹائن

سائنس کی دنیا کی معروف ہستی، آئن اسٹائن ۱۸۷۹ء میں جرمنی میں پیدا ہوا۔ نسلاً وہ یہودی تھا۔ آئن اسٹائن نے "نظریہ اضافیت" پیش کر کے عالمی اور دائمی شہرت حاصل کی۔ وہ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۹ء تک سوئٹزرلینڈ کا شہری بنا رہا۔ ۱۹۱۴ء میں اس عہدے سے اس لئے معزول کر دیا گیا کہ وہ یہودی النسل ہے۔ پہلے وہ برطانیہ گیا۔ لیکن بعد ازاں امریکہ میں پروفیسر مقرر ہوا۔

آئن اسٹائن کی وفات اپریل ۱۹۵۵ء میں ہوئی۔

قرعہ اندازی کے ذریعے انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب

کریم بخش عاشق علی، ٹنڈو ولی محمد

درست جواب دینے والے ساتھی :-

احمد ظہیر قریشی، لاہور۔ محمد عمران بن ظہور، کراچی۔ سید عثمان حسنی، لاہور۔ وسیم شوکت، گوجرانوالہ۔ آمنہ لطیف، لاہور۔ عامرہ خالق قریشی، عامر خالق قریشی، حنا خالق قریشی، عادل خالق قریشی، ایبٹ آباد۔ عمران بشیر کراچی۔ راشد محی الدین، کراچی۔ قرہ العین، کراچی۔ ثاقب محمود مصطفےٰ، کراچی۔ شمائلہ نیاز، رحیم یار خان۔ طارق علی یوسفی، حیدر آباد۔ کاشف رضا، لاہور۔ فرح کنول، واہ کینٹ۔ یسریٰ تبسم، کراچی۔ ذکریٰ وحید سلیمانی، لاہور۔ مجیب ربانی، سرائے سدہو۔ افتخار احمد شیرازی، ٹنڈو آدم۔ محمد حسن سروش، ملک محمد فاروق، ملک محمد یوسف، ملک محمد یونس، نواب شاہ۔ بلال فاروق، لاہور۔ کامران طارق، پشاور۔ نوید اختر، جنید اختر، دانش اختر، نازش اختر، زین اختر، کراچی۔ گل محمد خان، سوات۔ عمر احمد خان، دیر۔ فریحہ اسحاق، نوشین احمد، کراچی۔ عباس عالم، در محمد، نواب شاہ۔ یاسر بن صغیر، تہمینہ ساجد، حارث بن صغیر، اسد بن صغیر، آصف بن صغیر، خانیوال۔ روبینہ ناز، ندیم شاہد، سمیعہ شاہد، ثمینہ رحیم، ناہید صادق اعوان، کراچی۔ بشریٰ شاہد، وسیم شاہد، مخدوم پور پہوڑاں۔ فوزیہ شمیم، شگفتہ شمیم، کراچی۔ ارشد اختر، شاہد نصیر، لاہور۔ سرفراز احمد، عمران خان، پشاور۔ ابتاج راشد، عزیر بن راشد، نواب شاہ۔ کرم حسین مہر، لیہ۔ انعام الحق، عبدالحمید شارق، کروڑ لعل عیسن۔ مومن امین، صادق امین، راشد امین، جھمرہ سٹی۔ ممتاز احمد، ناصر خان، مبشر احمد، محمد اقبال، محمد ایاز بلوچ، قیوم، محمد عمران عثمان صدیقی، اسلام آباد۔ صابر احمد، محمد جاوید، امجد، محمد طاہر، محمد شاکر، سکھر۔ کلیم اللہ، سلیم اللہ، سمیع اللہ، حبیب اللہ، ضیاء اللہ، گجرانوالہ۔ ارشد حسین، محمد دانش، افضل حسین، اطہر حسین، مظہر خان، شکار پور۔ محمد عباس قمر الدین، فیصل فاروق، حیدر آباد۔ مرتضیٰ علی خان، کراچی۔ عبدالوہاب، قاضی، میرپور۔ اسماعیل عبدالرحمان، کراچی۔ عاطف جمشید، فیصل مختار، پرنس سرفراز ملک، ملتان۔ قرہ العین، افشاں، فاضل، راولپنڈی۔ محمد احمد مسعود عباسی، منصورہ۔ محمد سرمد عمانی، راولپنڈی، محمد سلیم رضا، لاہور۔ محمد فہیم خان، راولپنڈی۔ شہریم راجہ، جھڈو۔ عزیر عبداللہ صدیقی، کراچی۔

بچوں کے ایک اچھے شاعر

مِصباحُ العُثمان

بچوں کے لئے ہر زبان میں ایک خاص قسم کا ادب لکھا جاتا ہے اور اسی کو بچوں کا ادب کہا جاتا ہے۔ اس ادب میں اخلاقی کہانیاں، حکایتیں، سبق آموز نظمیں شامل ہوتی ہیں۔

اردو میں بچوں کا ادب لکھنے پر سب سے پہلے مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی نے توجہ دی۔ لیکن اس میدان میں سب سے زیادہ مقبولیت مولوی اسماعیل میرٹھی کو حاصل ہوئی جنہوں نے بڑی اچھی اچھی نظمیں لکھیں جو بچوں میں بہت مقبول ہوئیں اور آج تک بچوں کے نصاب میں داخل ہیں۔

مولوی اسماعیل میرٹھی کے بعد بچوں کے مقبول شاعر کی حیثیت سے **تلوک** چند محروم کا نام آتا ہے۔ آج ہم انہی بچوں کے شاعر سے آپ کا تعارف کروا رہے ہیں۔ تلوک چند محروم یکم جولائی ۱۸۸۷ عیسوی میں دریائے سندھ کے کنارے ایک چھوٹے سے قصبے عیسیٰ خیل میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی جماعت سے میٹرک تک تمام امتحانات اول درجے میں پاس کئے۔ ایف اے، بی اے کے امتحان ملازمت کے دوران پاس کئے۔ مدرسی کا

پیشہ اختیار کیا اور ساری زندگی استاد کی حیثیت سے گزاری۔ محروم صاحب نے بہت کم عمری میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں ان کا کلام اردو کے مشہور ادبی رسالوں مثلاً "مخزن" اور "زمانہ" میں شائع ہونے لگا تھا۔

ایک استاد کی حیثیت سے انہیں بچوں کی اخلاقی تربیت کا خاص خیال تھا اور بچوں کو اچھا انسان بنانے کی نیت سے انہوں نے اچھی اچھی نظمیں لکھیں۔ وہ ان سے نیکی، سچائی، علم کا ذوق، محنت و صفائی کا جذبہ ابھارنا چاہتے تھے وہ استاد ہونے کی وجہ سے بچوں کی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے نظمیں بہت دلچسپ پیرائے میں لکھتے تھے تاکہ بچوں کے دل پر نقش ہو جائیں۔

ان کی بچوں کے لئے لکھی ہوئی نظمیں "بہار طفلی" کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ کتاب کے آخر میں مشکل الفاظ کے معنی بھی دے دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں ہر موضوع پر اچھی اچھی نظمیں ہیں۔ ان کی چند نظموں کے عنوان یہ ہیں "خدا کا شکر"، "کام"، "اچھے کام"، "کتاب"، "محنت"، "سویرے اٹھنا"، "صفائی"، "ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے"، "تندرستی ہزار نعمت ہے"، "پھول"، "برسات" اور "بلبل"۔ یہ سب بڑی اچھی اور سبق آموز نظمیں ہیں۔ ہم ان میں سے چند خاص نظموں کے کچھ اشعار نقل کر رہے ہیں:-

گر چاہتے ہو عزت، محنت سے وہ ملے گی
در کار اگر ہے شہرت، محنت سے وہ ملے گی
ہے جس کا نام دولت، محنت سے وہ ملے گی
کہتے ہیں جس کو قسمت، محنت سے وہ ملے گی
محنت کرو عزیزو محنت سے کام ہو گا

کاہل جو ہیں جہاں میں ان کا مآل دیکھو
افلاس اور مرض سے ہیں خستہ حال دیکھو
رہتے ہیں ہر گھڑی وہ غم سے نڈھال دیکھو
جو لوگ محنتی ہیں وہ ہیں نہال دیکھو
محنت کرو عزیزو، محنت سے کام ہو گا
(نظم۔ "محنت")

کوئی کہتا ہے دنیا میں ہے دولت اچھی
ہے کسی شخص کی دانست میں حکمت اچھی
کوئی کہتا ہے کہ اچھی ہے طبیعت اچھی
کوئی کہتا ہے کہ اچھی ہے تو صورت اچھی
میں یہ کہتا ہوں ہر اک شے سے ہے صحت اچھی
(نظم۔ "تندرستی ہزار نعمت ہے")

اے پھول! کاش ہو مری قسمت تری طرح
حاصل ہو رنگ و بوئے محبت تری طرح

زینت پذیر تجھ سے ہے جیسے ترا چمن
مجھ سے بھی پائے رونق تازہ مرا وطن

تیرا نصیب باغِ جہاں میں جو پاؤں میں
اے گل خدا کے شکر کے سو گیت گاؤں میں

(نظم۔ "پھول")

ہو کبھی انساں نہ بے دل کام سے
کیوں کہ ہوتا ہے یہ کامل کام سے

کام میں ہیں مہر و ماہ ابر و باد
سج گئی دنیا کی محفل کام سے

اہل ہمت کا ہے خود حامی خدا
برکتیں ہوتی ہیں نازل کام سے

دین و دنیا سے گیا محروم وہ
ہو گیا جو شخص غافل کام سے

(نظم۔ "کام")

بہتر کوئی رفیق نہیں ہے کتاب سے
اچھا کوئی شفیق نہیں ہے کتاب سے

دنیا کے دوستوں کی محبت سدا نہیں
اس سے مگر جدائی کا کھٹکا ذرا نہیں

ہم راز ہے یہ راز چھپتا نہیں کبھی
اور جھوٹ موٹ بات بناتا نہیں کبھی

گرچہ نہیں ہے اس کے دہن میں زباں کوئی
اس سا نہیں جہان میں شیریں بیاں کوئی

دیکھا ہے سب کتاب میں جو کچھ جہاں میں ہے
موجود ہے زمیں پہ یا آسماں میں ہے

(نظم۔ "کتاب")

اس نظم کا خاتمہ اس دعا پر ہے۔

پروردگار دے مجھے اُلفت کتاب کی
بھر دے تو میرے دل میں محبت کتاب کی
جب تک کہ دم میں دم ہے میں اس سے جدا نہ ہوں
اور اپنے ایسے دوست سے غافل ذرا نہ ہوں

محروم صاحب اپنی نظموں کے ذریعہ بچوں کو بتلانا چاہتے ہیں کہ انسان کی مدد کرنی چاہئے جھوٹ نہیں بولنا چاہئے حسد نہیں کرنا چاہئے ہر حالت میں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ محنت سے جی نہیں چرانا چاہئے۔

ان کی شاعری میں وطن کی محبت، آزادی کی تمنا، حق گوئی، حق پرستی، اتحاد، رواداری کا ذکر بار بار ملتا ہے۔

دوستو! آپ نے جگن ناتھ آزاد کا نام تو سنا ہوگا یہ محروم صاحب کے بڑے لائق وفائق بیٹے ہیں اور بڑے شاعر اور ادیب ہیں۔

محروم صاحب کے بارے میں شیخ عبدالقادر صاحب نے بہت اچھی بات لکھی ہے وہ لکھتے ہیں۔

"تلوک چند محروم اپنے تخلص کی مناسبت سے دنیا کی بعض نعمتوں سے محروم رہے ہوں تو اور بات ہے مگر خداداد لطف سخن سے انہیں بہت بڑا حصہ ملا اور ان کا کلام قبول عام کی دولت سے محروم نہیں رہا کیوں کہ بڑے بڑے سخن وروں نے سراہا۔"

محروم صاحب کا انتقال ۷۹ سال کی عمر میں ۶ر جنوری ۱۹۶۶ء کو ہوا۔

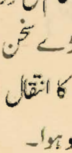

کامیابی مبارک

اپنی کامیابی سے

ہمیں بھی باخبر کیجئے

آپ کسی بھی کلاس
کے طالب علم ہوں ... اگر آپ نے کلاس میں
پہلی پوزیشن
دوسری پوزیشن
یا
تیسری پوزیشن
حاصل کی ہے تو اس کی تصدیق اپنے تعلیمی ادارے کے سربراہ سے کروائیے اور ہمیں بھجوا دیجئے؛
ہم آپ کو
پرائڈ آف پوزیشن
کی سند دیں گے

تحریکِ فروغِ علم میں پیش پیش
ماہنامہ
آنکھ مچولی
1- پی آئی بی کالونی، کراچی5

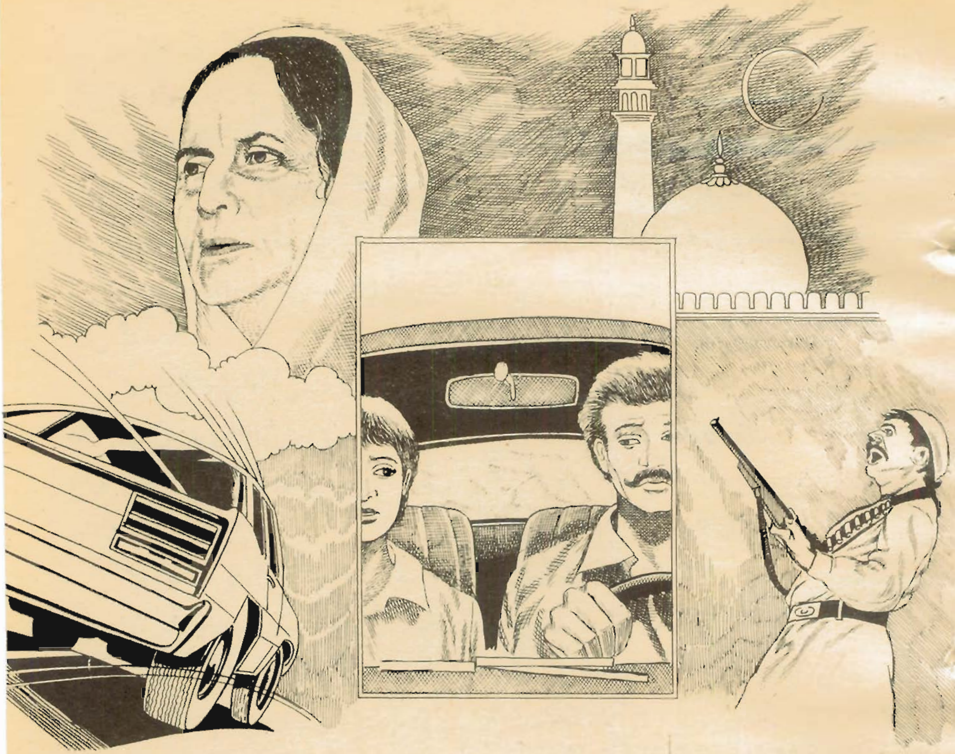

سراغ

فاروق حسن چانڈیو

میری عمران دنوں تین سال تھی جب ابو جان کو امریکا میں ملازمت مل گئی تھی۔ ایک سال بعد وہ امی جان اور مجھے بھی امریکا لے گئے۔ وہ ڈیڑھ دو سال میں خود تو دادی اماں سے ملنے وطن واپس آتے تھے مگر میں اور امی جان کئی سالوں سے وطن واپس نہیں لوٹے تھے۔ امی جان کا کیونکہ کوئی قریبی رشتہ دار زندہ نہیں تھا اس لئے انہوں نے ابو جان سے کبھی زور دے کر نہیں کہا کہ انہیں بھی وطن لے چلیں۔

کبھی کبھی تین چار سال میں دادی جان اور چاچا فرحان بھی امریکا آجایا کرتے تھے۔ اور ہر دفعہ ابو سے کہتے تھے کہ زبیر کو کچھ دنوں کے لئے وطن بھیج دے وہ اپنی اس خواہش کا ذکر خطوط میں بھی کیا

کرتے تھے۔ ان تقاضوں کی وجہ سے بالآخر ابو جان نے ایک مہینے کے لئے مجھے دادی جان کے یہاں وطن بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ میں ابو جان کا فیصلہ سن کر خوشی سے جھوم اٹھا۔ پورے بارہ سال بعد اپنے وطن جانے کا موقعہ مل رہا تھا۔ یوں سمجھیں کہ میں بالکل نئی جگہ جارہا تھا۔ کیونکہ اب مجھے اپنے وطن میں گزارے ہوئے وہ کم عمری کے دن بالکل یاد نہیں تھے۔

"ابو جان! میری خواہش ہے کہ آپ دادی جان کو میری آمد کی اطلاع نہ دیں۔ میں اچانک وہاں پہنچ کر ان کو سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔" میں نے ابو جان سے کہا۔

"مگر بیٹے ...... پھر تم اپنا گھر تلاش کیسے کرو گے......؟" ابو جان نے کہا۔ "یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ آپ پتہ لکھ کر دیں میں پہنچ جاؤں گا۔ اب میں چھوٹا سا بچہ تو ہوں نہیں۔ پورے سولہ سال کا ہوں ......" میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے میں امی جان کو اطلاع نہیں دیتا ہوں۔" ابو جان نے میری بات مانتے ہوئے کہا ایک ہفتے بعد کی پرواز سے مجھے پاکستان جانا تھا۔ اب میں تصور ہی تصور میں اپنے وطن پہنچ جاتا۔ کبھی دادی اور چاچا سے ڈھیروں باتیں کرنے لگتا کبھی اچانک اپنی آمد پر ان لوگوں کی حیرانی کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا۔ یوں انتظار کا وہ ہفتہ بہت سست رفتاری کے ساتھ گزر ہی گیا۔

میں ابو جان اور امی جان کے ساتھ ایئرپورٹ پہنچ گیا۔ جہاز کی روانگی تک ابو اور امی جان مجھے مشرقی رسم ورواج اور وہاں پہنچ کر لوگوں سے ملنے ملانے کے آداب سکھاتے رہے۔ اور پھر ابو اور امی نے بہت ہی فکر مندی سے مجھے وداع کیا۔

دوران پرواز بھی میں تصورات میں کھویا رہا۔ لمبے سفر نے تھکا کر رکھ دیا........ پھر یہ اعلان سن کر کہ جہاز کراچی میں لینڈ کرنے والا ہے۔ پوری تھکن ہوا ہو گئی۔ اپنے وطن پہنچنے پر اتنی خوشی محسوس ہورہی تھی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ حالانکہ مجھے وطن میں گزارا ہوا بچپن یاد بھی نہیں تھا۔ مگر یہ تو معلوم تھا کہ ہمارا اپنا وطن پیارا پاکستان ہے۔ میں تمام مراحل سے فارغ ہو کر ٹرالی دھکیلتا ہوا لاؤنج میں پہنچا۔ ابھی میں نے چند قدم ہی طے کئے ہوں گے کہ ایک ڈھیلے ڈھالے لباس میں ملبوس شخص نے قریب آکر کہا۔ ام جانتا ائے تمارا نام زبیر ائے ......"

"مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا......؟" میں نے شدید حیرانگی کے عالم میں چونکتے ہوئے پوچھا۔

تب اس شخص نے انگلیوں پر کچھ گننا شروع کیا اور کچھ لمحوں بعد کہا! ام کو تو یہ بی پتہ ائے کہ تھم گلشن اقبال میں جمیلہ بی بی کے پاس جائے گا۔ ام مسافر لوگ کا شکل دیکھ کر حساب لگاتا ائے اور سب کچھ جان جاتا ائے۔"

میری حیرانگی میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اور ہونقوں کی طرح اس باکمال شخص کو دیکھے جارہا تھا۔ وہ مجھے بہت بڑا جادوگر لگ رہا تھا۔

"ٹھم کیا سوچتا ائے ...... ؟ امارا گاڑی میں بیٹھ کر چلو ام ٹھم کو تمہارا منزل پر چوڑ دے گا۔" اس شخص نے کہا اور میرا جواب سنے بغیر ٹرالی مجھ سے لے کر پارکنگ کی طرف چل دیا۔ میں بھی حیرانگی کے عالم میں اس کے پیچھے چلتا ہوا اس کی گاڑی تک پہنچا۔

گاڑی میں بیٹھنے کے بعد ابھی ہم نے مشکل سے دو میل کا ہی سفر طے کیا ہو گا کہ اس شخص نے اچانک گاڑی روک لی۔ اور کہا "ادر بیٹو ام توڑی دیر میں آتا ائے۔" یہ کہہ کر وہ گاڑی سے اترا اور ایک طرف چل دیا تب میں نے دیکھا کہ صرف وہی گاڑی نہیں تمام گاڑیاں وہیں روڈ پر پہنچ کر رکتی جا رہی ہیں کچھ ہی دیر بعد آس پاس گاڑیوں کا رش لگ گیا۔ میں یہ صورتحال دیکھ کر مزید حیران ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سب گاڑیاں رک کیوں گئیں۔ وہاں آس پاس سب لوگ کسی گہری سوچ میں ڈوبے معلوم ہو رہے تھے اور ان کے چہرے بھی اترے ہوئے لگ رہے تھے۔ وہ سب پریشان دکھائی دے رہے تھے ہماری گاڑی ایک عجیب و غریب قسم کے ریسٹورنٹ کے آگے رکی ہوئی تھی جہاں زیادہ تر لوگ ایسے پلنگوں پر بیٹھے تھے جو اس سے قبل میں نے کہیں نہیں دیکھے تھے۔ چار لکڑیوں کو جوڑ کر اس پر رسیوں کا جال جوڑا ہوا تھا دوسری حیران اور پریشان کن بات یہ تھی کہ وہاں بیٹھے سب لوگ اس قدر پریشان تھے کہ سامنے رکھی ہوئی کھانے پینے کی اشیا سے بھی ہاتھ روک لیا تھا۔ مجھ پر حیرانگی اور پریشانی کا حملہ اس قدر شدید ہوا تھا کہ کسی سے کچھ پوچھنے کا بھی خیال نہیں آیا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں خوف زدہ ہو گیا تھا کہ پتہ نہیں میرے قدم رکھتے ہی وطن پر شاید کونسی مصیبت آن پڑی ہے۔ تقریباً وہاں رکے دو تین منٹ گزرے ہوں گے کہ لاؤڈ اسپیکر سے کوئی اعلان کیا جانے لگا۔ اعلان میں کیا کہا جا رہا تھا میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ مگر اس اعلان سے لوگوں کے چہروں پر خوشی جھلکنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد ٹریفک رواں دواں ہو گئی۔ لیکن اپنے خیالوں میں اتنا ڈوبا ہوا تھا کہ ڈرائیور کے آنے اور گاڑی میں بیٹھنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ جب دھماکہ ہوا تو خوف کے مارے اچھل پڑا۔ اور تھر تھر کانپنے لگا۔

"کیا بات ائے ...... ؟ ٹھم کانپ کیوں رئے او ...... ؟ ڈرائیونگ سیٹ سے اسی جادوگر ڈرائیور کی آواز آئی۔

"وہ ...... وہ ...... دھماکہ کیسا تھا ...... ؟" میں نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

اس پر وہ ہنس پڑا اور کہا۔ "گاڑی کا دروازہ بند او نے کا آواز تھا۔"

میں اس کی بات سن کر کھسیانا ہو گیا اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ روڈ پر گاڑیوں کا رش بہت بڑھ گیا تھا۔ ڈرائیور بڑی مہارت سے گاڑی کو آگے بڑھا رہا تھا۔ ایسے وقت مجھے خیال آیا کہ کچھ دیر قبل کی ماحول پر طاری کیفیت کے متعلق ڈرائیور سے معلوم کروں۔ چنانچہ میں نے اس سے پوچھا۔ تو

وہ بولا " خاموش رؤ...... دیکھتا نئیں رش کتنا ائے ...... بات کھرو گے تو ٹکرا جائے گی۔ " میری بات پر اس نے ڈانٹنے والے لہجے میں کہا۔ میں خاموش ہو گیا۔ اور سوچنے لگا " یہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ کاش سرپرائز کے خیال سے ابو جان کو میں نے دادی جان کو اپنی آمد کی اطلاع دینے سے منع نہ کیا ہوتا۔ " میں پھر سوچوں میں ڈوب گیا۔

"اتھرو گھر آگیا ......" ڈرائیور کی آواز آئی۔

میں نے چونک کر دیکھا گاڑی کسی کوٹھی کے برآمدے میں کھڑی تھی۔ میں نے گیٹ کھولا۔ اور نیچے اتر پڑا۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی تو گیٹ پر بہت ہی بڑی مونچھوں والا بندوق بردار نظر آیا۔ بندوق بردار کی موجودگی مجھے کچھ عجیب سی محسوس ہوئی۔ "اِدر اُدر کیا دیکھتا ائے ......؟ چل اندر ......" ڈرائیور نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

"مگر...... مگر...... مگر......" میں نے ڈرتے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔ میرا ڈرنا لازمی تھا بھلا دادی جان کے گھر میں اگر کوئی مجھ پر حکم چلائے تو گڑبڑ کا احساس تو ہونا ہی تھا۔ "اگر مگر کیا لگا رکی ہے؟ میرے آگے چلو۔" ڈرائیور نے تیوری چڑھا کر کہا۔ میں اس کے ساتھ چل دیا۔ اس نے ایک کمرے کا دوروازہ کھول کر کہا۔ "تھم یہاں رہو گے۔ جب تک معاملہ نو دو گیارہ او جائے۔ بات روم اندر ائے باہر نئیں نکلنا ائے۔ ورنہ۔ ......"

یہ سن کر میرے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ میرا برا حال ہو گیا میں سمجھ گیا تھا کہ اب میری خیر نہیں ...... یقیناً میں جرائم پیشہ افراد کے ہتھے چڑھ چکا تھا۔

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے کچھ دیر پہلے میں کتنا خوش تھا اپنے ملک آنے پر مگر وہاں پہنچتے ہی میرے ساتھ ایسا سلوک ہوا کہ کبھی غیر ملک میں بھی میرے ساتھ نہ ہوا تھا۔

میں ان افسوس ناک سوچوں میں کھویا ہوا تھا کہ سائرن کی آواز نے فضا کو چیر کر رکھ دیا۔ ابھی سائرن کی آواز ختم ہی ہوئی تھی کہ فضا گولیوں کی آواز سے لرز اٹھی سائرن اور پھر گولیوں کی آواز کسی دشمن ملک کی طرف سے حملے کی نشاندہی کر رہی تھی۔ ایک اور مصیبت کی آمد کے خیال سے مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ ساتھ ہی میں رونے بھی لگا۔ ایک تو فائرنگ بالکل قریب سے ہو رہی تھی۔ میں رونے کے ساتھ ساتھ خدا سے گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہا تھا کہ کوئی گولی دیوار کو پھاڑتی ہوئی مجھے نہ لگے۔

"اے لڑکے ......! یہ کیا چھوٹے معصوم بچوں کی طرح ٹسوے بہائے جا رہے ہوں۔ شرم کرو ...... ہمارے خاندان میں اتنا ڈرپوک تو کوئی نہیں تھا۔ تم کسی پر گئے ......؟" میں نے چونک کر دیکھا۔ دادی جان دروازے میں کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھیں۔

ان کو دیکھ کر میں خوشی سے جھوم اٹھا اور دوڑ کر

ان سے چمٹ گیا۔ دادی جان میرے سر کو چومے جا رہی تھیں۔ کچھ دیر یوں گزر گئی پھر میں جھٹکے سے الگ ہو گیا اور ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ پاکستان آتے ہی میرے ساتھ کیسا برا سلوک ہو رہا ہے۔ اور تو اور آپ کے گھر میں بھی مجھے اس طرح رکھا گیا جیسے اغوا کر لیا گیا ہو اور آپ چھپ کر یہ تماشہ دیکھتی رہیں۔"

"اچھا......! تو اب چور کوتوال کو ڈانٹنے لگا۔" دادی جان نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب......؟" میرا لہجہ سوالیہ تھا۔

"مطلب یہ کہ تو اچانک آ کر مجھے حیران کرنا چاہتا تھا۔ جواب میں میں نے تیرے ساتھ ڈرامہ کیا۔"

یہ بات سن کر میں ہنس بیٹھا۔ اور پھر میں نے دادی جان سے کہا۔ "جلدی سے کھانا تو کھلوا دیں۔ بہت زوروں کی بھوک لگی ہے۔"

دادی جان نے فوراً کھانا لگوا دیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چائے کا دور چلا اور پھر میں نے دادی جان کو ایئرپورٹ پر جادو گر ڈرائیور سے ملاقات اور پھر راستے میں پیش آنے والے واقعات سنا ڈالے۔

"تیرے ساتھ جو کچھ ہوا۔ تو اس سزا کے لائق تھا۔" دادی جان نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"وہ کیسے دادی جان......؟" میں نے پوچھا۔

"سب سے پہلے تم نے مجھے حیران کرنے کا کمزور منصوبہ بنایا۔ اپنے ابو کو تو مطلع کرنے سے منع کیا مگر والدہ کو منع نہیں کیا۔ نتیجے میں انہوں نے مجھے فون کر کے مطلع کر دیا۔ پھر تو نے بغیر سوچے سمجھے ڈرائیور پر بھروسہ کیا۔ یہ تو تیری خوش نصیبی ہے کہ وہ ہمارا ملازم ہے۔ اور میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے جادو گر بن کر گیا۔ تیسری بات تیری اسلامی اصولوں اور احکامات سے لاعلمی ہے۔ افطاری کے وقت راستے میں ٹریفک رک گیا کہ روزہ کھول سکیں۔ پھر مغرب کی اذان کو تم نے خیریت کا اعلان جانا۔ اس غفلت میں تیرے علاوہ تیرے والدین کی کوتاہی ہے۔ ان کو تو میں دیکھ لوں گی۔ یہاں پھر تم نے بندوق بردار کو بھی نہیں پہچانا وہ تیرے چچا تھے جس نے نقلی مونچھیں لگا رکھی تھیں۔ وہ سائرن جسے تم نے حملے کی اطلاع سمجھا۔ وہ عید کا چاند نظر آنے کی اطلاع کے طور پر بجا گیا تھا اور اسے سن کر خوشی کے اظہار کے طور پر لوگوں نے ہوائی فائرنگ کی تھی۔ اب بتاؤ...... قصور وار تم ہو کہ میں؟!!" دادی نے مسکرا کر پوچھا۔

میں نے شرمندہ ہوتے ہوئے اپنی کم علمی کا اعتراف کر لیا۔ در حقیقت اصل سرپرائز تو دادی جان نے مجھے دیا تھا!!

الٹا اڑنے والا پرندہ

تمام پرندے چونچ کی طرف اڑتے ہیں لیکن HIMMINGنامی پرندہ دم کی طرف یعنی الٹا بھی اڑ سکتا ہے۔

مرسلہ ...... یاسر بن نثار، راولپنڈی

بنام آنکھ مچولی

قارئین کے منتخب خطوط

عمر جمیل، نواب شاہ۔ امید ہے آپ اور ردی کی ٹوکری خیریت سے ہوں گے۔ خاص نمبر کا سرورق بہترین تھا۔ تحفہ پسند آیا۔ "اے خدا اے خدا" "رخ مصطفیٰ" "اور فضائیہ کا شاہین" بہترین تحریریں تھیں جب کہ "آدم خور" "عاشی بی" "خلائی حملہ آور" "مستقبل کا سفر" اور "بابو شرط باز" اچھی کہانیاں رہیں۔ "وہ کیا راز تھا" بہت ست جا رہی ہے۔ یہ میرا پہلا خط ہے ضرور چھاپیں ورنہ آنکھوں سے آنسو چھلک پڑیں گے۔

سید ارشد شاہ، کراچی۔ خاص نمبر بے حد پسند آیا۔ کہانیوں میں "آدم خور" "ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے" "جھوٹ کے پاؤں" اور "مستقبل کا سفر" بہت اچھی تحریریں تھیں۔ **محمد شہزاد خان کستوری، کراچی۔** خاص نمبر میں "مس نے مجھے ٹھیک کر دیا" "آدم خور" "جھوٹ کے پاؤں" خلائی حملہ آور" جیسی کہانیاں پسند آئیں۔ سچ تو یہ ہے کہ آنکھ مچولی کا ہر شمارہ "خاص شمارہ" ہوتا ہے۔ **احد یار واحد، گوجرانوالہ۔** سرورق حسب روایت شاندار تھا۔ تمام کہانیاں پسند آئیں۔ **کامران طارق، پشاور۔** ستمبر کا خاص نمبر واقعی خاص الخاص نمبر تھا۔ آٹو گراف بک معیاری تحفہ ثابت ہوئی۔ **زرتاش مغل، نواب شاہ۔** خاص نمبر کا سرورق بہت ہی شریر بچوں کا تھا بہت پسند آیا۔ "آدم خور" "ایک

ایک خط ایک مسئلہ

جناب ایڈیٹر صاحب!

اس خط کے ذریعے میں آپ کی توجہ سائنس کی تعلیم کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ آج کل ہر کوئی یہ کہتا نظر آتا ہے کہ سائنس پڑھو اور ملک کی ترقی کا باعث بنو مگر کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتا۔ مثلاً ملک سے اتنے ماہنامے ہفت روزے اور اخبارات وغیرہ نکلتے ہیں مگر ایک بھی جریدہ ایسا نہیں جو کہ مکمل طور پر سائنسی ہو جس کی وجہ سے ہم جدید سائنسی معلومات سے بالکل بے خبر ہیں۔ اور رہی بات اسکولوں میں سائنسی تعلیم کی تو وہ سائنسی نصاب اس قدر پھیکا اور مشکل ہوتا ہے کہ چند سطریں پڑھ کر ہی سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ آٹھویں کلاس تک ہمیں صرف سائنس کی ابتدائی باتیں بتائی جاتی ہیں اور ہم فزکس اور کیمسٹری سے بالکل نا آشنا ہوتے ہیں اور نویں جماعت میں تین نئے اور مشکل مضامین کی وجہ سے بچوں پر ذہنی بوجھ اچانک بڑھ جاتا ہے اور اس طرح وہ پڑھائی سے جی چرانے لگتے ہیں اور سائنسی مضامین پر دوسرے مضامین کو ترجیح دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچے سائنس میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ سائنس سے دوری کی وجہ سے ہمارا ملک سائنسی میدان میں ترقی نہیں کر پا رہا ہے۔ آخر کب تک ہم اس فرسودہ سائنسی تعلیم کے ذریعے اپنے ملک کو چلاتے رہیں گے۔ میری ارباب اقتدار اور تعلیم کے ذمہ داران سے درخواست ہے کہ نظام تعلیم کو سائنسی بنیادوں پر استوار کریں اور سائنس کی تعلیم کو آسان، عام فہم اور دلچسپ بنائیں تاکہ بچے سائنس کو سمجھنے اور سیکھنے سے نہ کترائیں۔ اس لئے بچوں کے لئے سائنسی میگزین، رسالے زیادہ سے زیادہ شائع کئے جائیں!!

ملک محمد شفیق حفیظ، لاہور

مس نے مجھے ٹھیک کر دیا" بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ "دو بھائی دو کار ٹونسٹ" پڑھ کر بڑا ہی مزا آیا۔ **اولیس یوسف زئی، اٹک۔** آنکھ مچولی کا تازہ شمارہ پڑھا، پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ سب تحریریں شمارے کو چار چاند لگا رہی تھیں۔ "ایکشن فلموں کا راز" اچھا تھا۔ میری تجویز ہے کہ آپ "میری پسندیدہ شخصیت" کے عنوان سے ایک نیا کالم شروع کریں۔ **شیر محمد رحمانی، نواب شاہ۔** خاص شمارہ ہاتھ میں آتے ہی میں خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ نظمیں اچھی لگیں۔ کہانیوں میں "خفیہ غار" "آدم خور" اور "جھوٹ کے پاؤں" پسند آئیں۔ ان کہانیوں کے اسکیچ ایک دوسرے پر لگ گئے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ ○ ...... جی ہاں! آپ کا خیال درست ہے...... غلطی سے اس طرح ہو گیا معذرت خواہ ہیں۔ **محمد عثمان بن سلیم، کراچی۔** آنکھ مچولی کا شمارہ یکم تاریخ کو ملا۔ تحفہ پسند آیا۔ سرورق اچھا تھا۔ محمد عادل منہاج کی کہانی "آدم خور" اچھی لگی لیکن غلط اسکیچ کی وجہ سے مزہ کرکرا ہو گیا۔ یہی حال منیر احمد راشد کی کہانی کے ساتھ ہوا "کوہ قاف سے واپسی" جیسی تحریر پہلے بھی پڑھ چکے ہیں۔ "خفیہ غار" گو اچھے انداز میں لکھی گئی لیکن موضوع پرانا تھا۔ اس بار رنگ برنگے صفحات نظر نہیں آئے۔ **سجاد حسین، گدو بیراج۔** سرورق ستمبر کی مناسبت سے نہ تھا۔ کہانیوں میں "مس نے مجھے ٹھیک کر دیا" "سورج کا ٹکڑا" "طرفدار" "آدم خور" "الٹی گنگا" پسند آئیں۔ آصف مجتبیٰ کا انٹرویو اچھا تھا۔ تحفہ کوئی خاص نہ تھا ویسے تحفے کا شکریہ۔ **قرۃ العین پاشا، فیصل آباد۔** ستمبر کا خاص نمبر اپنی مثال آپ تھا۔

"نیند کی قیمت" "آدم خور" بہترین کہانیاں تھیں۔ "وہ کیاراز تھا" اس دفعہ بور رہی۔ "پہلی بات" "اور سنہرے حروف" پسند آئے۔ **سائرہ کاظمی، ایبٹ آباد**۔ خاص نمبر لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں اور نظمیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ معلوماتی مضامین نے معلومات میں اضافہ کیا۔ "وہ کیاراز تھا" شاندار جارہی ہے۔ **صائمہ محمد، کراچی**۔ مجموعی طور پر آنکھ مچولی کا خاص نمبر اور تحفہ بہت پسند آیا۔ **مختار حسین ہاشمی، رحیم یار خان**۔ خاص نمبر دیر سے ملا لیکن پڑھ کر سارے گلے شکوے دور ہو گئے۔ اتنا اچھا خاص نمبر نکالنے پر بہت بہت مبارکباد۔ **عمران جتوئی، ملتان**۔ خاص نمبر میں "نیند کی قیمت" "عاشی بی" "الٹی گنگا" اور "گھر بیٹھے دولت کمائیں" اچھی کہانیاں تھیں رسالے کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ **عالم شفیع ہمدم، جھنگ**۔ آنکھ مچولی کا سات برس بعد شائع ہونے والا خاص نمبر اپنی تمام تر رنگینوں سے سجا تھا۔ ساتھ ہی آٹو گراف کا خوبصورت تحفہ بھی تھا۔ آنکھ مچولی کا یہ خاص نمبر واقعی تعریف کا مستحق ہے۔ **حافظ حذیفہ صدیق قادری، ملتان**۔ سرورق خاص نہ تھا۔ کہانیوں میں اندھے نے چڑیا پکڑی" اور نظموں میں "قارون کا خزانہ" پسند آئی۔ مضمون "دماغ ہمارے جسم کا حاکم" معلوماتی تھا۔ **طاہر ناز انصاری، دینہ**۔ شہر خاص نمبر پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ "ایک مس نے مجھے ٹھیک کر دیا" "اندھے نے چڑیا پکڑی" "وہ کیاراز تھا" "ہم نے بنایا سیب کا حلوہ" بہت پسند آئیں۔ خاص نمبر کی سب سے خوفناک کہانی "آدم خور" تھی۔ محمد عادل منہاج کو اتنی اچھی کہانی لکھنے پر مبارکباد۔ **وجاہت حسنین سرگانہ، خانیوال**۔ نظمیں "قارون کا خزانہ" اور "ہڈیوں کے ماہر" بہت پسند آئیں۔ آٹوگراف بک کے تحفے نے رسالے کو چار اور میری خوشی کو آٹھ چاند لگا دیئے۔ "رخ مصطفیٰ" "نیند کی قیمت" بہترین تحریریں تھیں۔ نظم "آنکھ مچولی کے نام" نمبر ون رہی جبکہ "وہ کیاراز تھا" ہمیشہ کی طرح اس بار بھی تجسّس سے بھرپور تھی۔ **اسماعیل سرسانہ، ملتان**۔ "ایکشن فلموں کا راز" "فضائیہ کا شاہین" "آدم خور" "مستقبل کا سفر" اور "خلائی حملہ آور" بہترین تحریریں تھیں۔ آٹو گراف بک کا تحفہ پسند آیا۔ **شہزاد فیصل، لاہور**۔ اتنا اچھا خاص نمبر نکالنے پر دلی مبارکباد قبول کیجئے۔ **نثار احمد شاہانی بلوچ، دادو**۔ خاص نمبر پڑھا بہت اچھا لگا۔ آٹو گراف کا تحفہ بھی خوب رہا۔ **عفت فاطمہ عفی، راولپنڈی**۔ آپ نے میرے ارسال کردہ اشعار تو شائع کر دیئے لیکن میرا خط شائع نہیں کیا..... کیا میرا خط چھپنے کے قابل نہ تھا۔ ○ ..... ہر مہینے بچوں کے بے شمار خطوط آتے ہیں۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ بنام آنکھ مچولی کے چار صفحات میں زیادہ سے زیادہ خطوط شامل کئے جائیں پھر بھی کافی سارے خطوط شامل ہونے سے رہ جاتے ہیں جنہیں آئندہ ماہ ضرور شامل کر لیا جاتا ہے۔ **عائشہ انیس، جامپور**۔ آنکھ مچولی مجھے بے حد پسند ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے جب بھی خط بھیجا چھپ گیا۔ امید ہے کہ اس خوش قسمتی کو بدقسمتی میں نہیں بدلیں گے۔ **زبیدہ ضمیر، جامپور**۔ میں آنکھ مچولی میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں۔ یہ ایک اچھا اور معلوماتی رسالہ ہے۔ **حمیرا صدیقی، کوئٹہ**۔ آپ نے میرا خط شائع کر کے میرے دل کو ٹوٹنے سے بچالیا۔ ○ ..... ویسے دل کو اتنا نازک بھی نہیں ہونا چاہئے۔ **بدر ابراہیم خان، لاہور**۔ انکل! آپ ہمارے پسندیدہ مصنف اشتیاق احمد کا کوئی ناول شروع کریں۔ ○ ..... ابھی چند ہی مہینے پہلے تو ان کا ناول ختم ہوا ہے بہر حال آپ کی فرمائش ان تک پہنچا دیں گے۔ **مونا ملک، بہاولپور**۔ آنکھ مچولی میں ہمارا خط اور لطیفہ شائع کرنے کا شکریہ۔ ایک بات کی طرف ہم نے آپ کی توجہ دلائی لیکن آپ نے کچھ زیادہ ہی توجہ دے ڈالی اور ایک "ناپسندیدہ" فیصلہ کرنا پڑا۔ یہ فیصلہ تو ہمارے لئے "ناپسندیدہ" ہے آپ کے لئے نہیں۔ ○ ..... بھئی! مہنگائی بہت زیادہ ہو گئی ہے اور کاغذ دن بدن مہنگا ہوتا جارہا ہے۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی اور نقصان کے باوجود قارئین کے لئے یہ فیصلہ ناپسندیدہ ہے تو آنکھ مچولی کے لئے بھی۔ کیوں کہ آنکھ مچولی کو اپنے پڑھنے والوں کی جیب کا خاص خیال ہے۔ **ذکاء الدین، کامرہ**۔ خاص نمبر کے لئے اپنی ایک نظم بھیج رہا ہوں امید ہے نوک پلک درست

کر کے شائع کر دیں گے ○ ...... بھئی نظم کے بجائے آپ نثر پر توجہ دیں آپ کی نظم ناقابل اشاعت ہے۔ **مجیب ربانی، سرائے سدھو۔** سعید انور سے ملاقات بہت پسند آئی ...... ان سے پوچھے گئے سارے سوالات اچھے اور دلچسپ تھے۔ **عبد القادر توقیر، ڈیرہ غازی خان۔** آنکھ مچولی پڑھا، دل خوش ہوگیا۔ پہلی مرتبہ خط لکھ رہا ہوں بہت زیادہ امید ہے آپ دل نہیں توڑیں گے۔ **آمنہ لطیف، لاہور۔** "آمنے سامنے" کھلاڑیوں سے سوالات پوچھنے کا دلچسپ سلسلہ ہے۔ کیا لڑکیاں بھی کھلاڑیوں سے سوالات پوچھ سکتی ہیں؟ ○ ...... آنکھ مچولی کے تمام قارئین اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ **کنول شہزاد انجم، رکن شہر۔** شمارہ لاجواب تھا، تحفہ پسند آیا۔ **رفیق شاہد، پاک پتن۔** قیمت میں اضافہ تو ہمیں منظور ہے مگر رسالے کے معیار پر بھی توجہ دیجئے۔ **ذیشان آغا، پاک پتن۔** آنکھ مچولی کا تازہ شمارہ حسب معمول تاخیر سے ملا کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہر ماہ کی کیم تاریخ کو رسالہ بک اسٹال پر پہنچ جایا کرے یا آپ سالانہ خریدار بنانے کے لئے لیٹ کرتے ہیں!! ○ ...... نہیں بھائی! ایسی کوئی بات نہیں۔ **صبیحہ میر (؟)** شمارہ تمام شوخیوں سمیت ملا بہت اچھا لگا۔ نظمیں بہت اچھی لگیں۔ "وہ کیا راز تھا" میں بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔ یہ مجھے بہت پسند ہے۔ اتنا اچھا رسالہ شائع کرنے پر بہت بہت مبارکباد۔ **رضوان ظہیر، بینش ظہیر، کراچی۔** ہماری کہانی "ہتھنی کے تین بچے" کا کیا بنا کیا وہ قابل اشاعت ہے؟ ○ ...... آپ لوگوں کو ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے۔ فارغ اوقات میں اچھی اچھی کہانیوں کا مطالعہ کیجئے۔ **زاہد حسین ابڑو، عمر کوٹ۔** "جب خواب بکھر جائیں" پڑھ کر شدت سے یہ احساس ہوا کہ ہم اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو کس طرح پامال کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں آنکھ مچولی کو ایسی ہی کہانیوں دوسرے رسالوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ **مہر اعجاز، لاہور۔** شمارہ مزے دار تھا لیکن قیمت میں اضافے کی خبر بہت بری لگی۔ **ذاکرہ وسیم، پشاور۔** سرورق ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا۔ کہانیاں ساری ہی اچھی لگیں۔ **فریحہ ملک (؟)** آنکھ مچولی ایک بہترین ماہنامہ ہے میں اس سے بہت متاثر ہوں۔ ○ ...... شکر ہے آپ قیمت سے متاثر نہیں ہوئیں۔ **شاہ رخ ہمایوں، پنڈی بھٹیاں۔** اس دفعہ کا رسالہ بہت اچھا تھا۔ سب ہی کہانیاں پسند آئیں۔ **ساجد باغبازاری، پسنی۔** پہلی بار آپ کی محفل میں شریک ہو رہا ہوں امید ہے مایوس نہیں کریں گے۔ **نوشینہ ڈار، لاہور۔** انکل! میری کہانی "کفن" کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ فرمائیے!! ○ ...... اس کہانی کے لئے تو معذرت، آپ کوئی اور دلچسپ اور معیاری تحریر بھیجئے۔ **عامرہ خالق، عامر خالق، ایبٹ آباد۔** خوبصورت سرورق نے دل موہ لیا۔ اتنے اچھوتے اور اچھے سرورق کا آئیڈیا آپ کہاں سے لیتے ہیں؟ تمام تحریریں لاجواب تھیں لیکن محمد عادل منہاج کی سائنس فکشن پر کہانی بے حد پسند آئی۔ **شیروز گل، پشاور۔** اس دفعہ کا رسالہ بہت خوبصورت تھا۔ **راؤ سجاد رشید، فیصل آباد۔** آپ میرا خط شائع نہیں کرتے یہ میرا آخری خط ہے۔ ○ ...... برادر! آپ کے اکثر و بیشتر خطوط شائع ہوتے رہتے ہیں۔ **حمیرا میر، وزیر آباد۔** آنکھ مچولی پہلے کی نسبت پھیکا پھیکا سا لگنے لگا ہے اور رنگین صفحات بھی نہ ہونے کے برابر ہو گئے ہیں۔ **افضل شاہین، بہاولنگر۔** آپ نے آنکھ مچولی کی قیمت بارہ روپے کر دی ہے جو ہمیں منظور ہے۔ ہم آپ کی مجبوری کو سمجھتے ہیں۔ **محمد امین، راولپنڈی۔** اس دور میں جب ہر چیز کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں تو ان حالات میں اگر آپ نے دو روپے کا اضافہ کر دیا تو کوئی بات نہیں۔ **محمد جنید ہارون، کراچی۔** آنکھ مچولی کا نیا سلسلہ "آمنے سامنے" مجھے بے حد پسند ہے۔ **بالاچ بلوچ، پسنی۔** آپ کی مجھ سے کیا دشمنی ہے کہ آپ میری چیزیں شائع نہیں کرتے؟ ○ ...... ہماری آپ سے کوئی دشمنی نہیں آپ کی تحریروں کی اصل دشمن ردی کی ٹوکری ہے۔ آپ اچھی اور معیاری تحریریں ارسال کیجئے!! **کاشف اعجاز، میرپور خاص۔** اس دفعہ تمام تحریریں اچھی تھیں۔ عادل منہاج کی کہانی بہترین تھی۔

وہ کیا راز تھا؟

محمد عمر احمد خان

قسط نمبر ۱۰

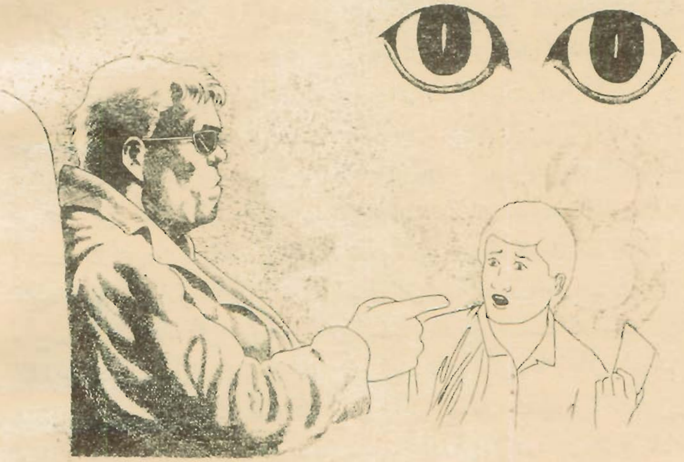

چیخ کی آواز نے جواد کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ اس کے بھائی کی چیخ تھی۔ ٹرین میں اس کے ہم سفر ایک پراسرار شخصیت ثابت ہوئے۔ انہوں نے دارالحکومت میں ٹھہرنے کے لئے جواد کو "ہوٹل اسپا" کا کارڈ دیا جو بعد میں "ہوٹل اسپائیڈر" نکلا۔

اس پورے ہوٹل میں آٹھ کا ہندسہ گردش کر رہا تھا۔ آٹھ ٹانگوں والی خونی مکڑیاں سفید سفوف کھا کر بڑی بڑی عفریتوں میں تبدیل ہو گئیں تو بڑی تیزی سے ڈرامائی واقعات پیش آنے لگے۔ مکڑیوں نے جواد، منیجر اور ہوٹل کے ملازمین کو مار ڈالا۔ پھر وہ اُڑنے والے پرندوں کے پیچھے باغ میں چلی گئیں تو لاشیں زندہ ہو گئیں۔ منیجر نے غراتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کوئی نہیں مار سکتا...... ہم نے سفید سفوف کھایا ہے۔" مر کر زندہ ہونے والوں نے آبِ حیات سے غسل کیا تو سب کے زخم بھر گئے۔

دوبارہ زندہ ہونے پر جواد نے محسوس کیا کہ اس کے دماغ میں ایسی لہریں پیدا ہو گئیں ہیں جنہیں ٹیلی پیتھی کہا جاتا ہے۔ جواد نے بونے کے سامنے سجدہ نہیں کیا تو اس نے جواد کو باغ میں پھینک دیا جہاں خونی مکڑیاں اس پر ٹوٹ پڑیں پھر جواد مکڑیوں کے ساتھ زمین میں دھنسنے لگا تو ایک زور دار دھماکہ ہوا اور جواد نے خود کو بستر پر پایا۔

گھرر گھرر کی آوازوں نے جواد کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس نے ٹرکوں میں سے سینکڑوں کی تعداد میں چپٹی ناکوں والے بونوں کو اُترتے دیکھا۔ ان بونوں کو دیوارِ قید سے آزاد کرایا گیا تھا۔ بونوں کی یہ عجیب و غریب نسل پوری دنیا پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہی تھی۔

ہرے مشروب نے جواد پر غنودگی طاری کر دی ...... جواد کو ہوش آیا تو وہ راولپنڈی اسٹیشن کی ایک بنچ پر پڑا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں تین تین انگلیاں بڑھ گئی تھیں اور آنکھیں پرندوں کی آنکھوں کی طرح گول ہو گئی تھیں۔

جواد نے ٹیلی پیتھی کی مدد سے بے ایمان کنڈیکٹر کے دماغ میں گھس کر اس کے بے ایمان ہونے کا اقرار کرایا تو لوگ مشتعل ہو گئے اور انہوں نے کنڈیکٹر کی پٹائی لگا ڈالی۔ جواد نے منیجر کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ "ہوٹل اسپائیڈر" تک پہنچنے کا راستہ جواد کو اس وقت ملے گا جب وہ لوگ چاہیں گے۔ منیجر نے جواد سے کہا کہ وہ اس پر کچھ تجربات کر رہے ہیں۔ پھر منیجر نے سانس روک لی تو جواد کو اس کے دماغ سے واپس آنا پڑا۔

"ارم پیلس" میں آگ لگ گئی تھی۔ جواد اک بچے کو بچانے کی غرض سے بارہ منزلہ سپاٹ عمارت پر کسی مکڑی کی طرح چڑھا .... تو ہیٹ والا پُراسرار شخص ایک طاقتور کیمرے کی مدد سے اس عجیب و غریب منظر کی تصویر کھینچنے لگا ......!!

(اب آپ آگے پڑھئے)

یہ ہیٹ والا وہی پُراسرار شخص تھا جو راولپنڈی اسٹیشن سے جواد کا تعاقب کر رہا تھا۔ پہلے وہ جواد کے پیچھے کوچ میں بیٹھا تھا اور پھر جواد کا تعاقب کرتا ہوا پارک میں پہنچ گیا تھا۔

اسٹاپ پر پہنچنے تک وہ شخص مسلسل سائے کی طرح اس کے ساتھ لگا رہا تھا۔ جواد اس تعاقب سے بالکل بے خبر تھا اس کا ذہن ہوٹل اسپائیڈر کے اسرار کی طرف لگا ہوا تھا اس لئے وہ اس شخص پر کوئی توجہ نہ دے سکا تھا .... پھر جب "ارم پیلس" میں آگ لگی اور ایک افراتفری کا منظر سامنے آیا تو جواد ہوٹل اسپائیڈر کو بھی بھول گیا اور اس بچے کو بچانے کے لئے دوڑ پڑا جس کی ماں اس کے سامنے غم و صدمے کی شدت سے بیہوش ہو گئی تھی۔

جواد نویں منزل پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور موقع ہوتا تو جواد اپنی اس حیرت انگیز صلاحیت پر دانتوں تلے انگلیاں دبالیتا لیکن اس کا سارا دھیان بچے کو بچانے میں لگا ہوا تھا اس لئے اسے اس بات کا قطعاً احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ سپاٹ دیوار پر بغیر کسی سہارے کے چڑھ کس طرح سے گیا ہے؟

اس کے ذہن میں تو بس ایک ہی دُھن سوار تھی کہ بچے کو ہر صورت میں بچانا ہے۔ نویں منزل پر پہنچ کر جواد نے شیشے کی کھڑکی پر زور سے ہاتھ مارا۔ شیشہ ٹوٹ گیا اور اتنا راستہ بن گیا کہ جواد بآسانی اندر

جا سکتا۔ جواد نے کمرے کے اندر قدم رکھا تو گہرے دھوئیں نے اس کا استقبال کیا۔ جواد دھوئیں سے بچتا بچاتا آگے بڑھا اور مختلف کمروں سے ہوتا ہوا بالکونی میں نکل آیا۔ وہ جس کھڑکی سے کمرے میں داخل ہوا تھا وہ گیارہ نمبر فلیٹ کی کھڑکی تھی۔ نویں منزل پندرہ فلیٹوں پر مشتمل تھی۔ بالکونی کافی آگے تک چلی گئی تھی اور ہر فلیٹ پر اس کا نمبر نظر آرہا تھا۔ بالکونی میں جگہ جگہ چپلیں اور جوتے بکھرے ہوئے تھے۔ لوگ بڑی بھگدڑ اور افراتفری میں نیچے بھاگے تھے۔

جواد کو بچے کا نام نہیں معلوم تھا اور نہ ہی یہ معلوم تھا کہ بچہ کس نمبر کے فلیٹ میں موجود ہو گا۔ وہ تو بس بچے کو بچانے کے لئے اوپر دوڑا چلا آیا تھا۔

جواد نے جلدی جلدی پانچ چھ فلیٹ اندر باہر سے دیکھ ڈالے لیکن وہ خالی تھے۔ پھر ایک فلیٹ کی تلاشی کے دوران اس نے بچے کے ماں کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی اور اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ بچے کی ماں کو لوگ ہوش میں لے آئے تھے لیکن صدمے سے اس کی بُری حالت تھی۔ جواد کی سوچ کی لہریں جب اس کے دماغ میں پہنچیں تو وہاں بس ایک ہی صدا گونج رہی تھی۔

"یااللہ! میرے بچے کو بچالے..... اے اللہ! میرے بچے کو بچالے!!"

جواد نے اپنی سوچ کے ذریعے ماں کے دماغ میں تسلی اور ہمت کی لہریں پیدا کیں پھر ماں کے ذہن کے پردے پر بچے کا خیال پیش کیا تو ماں بے اختیار چیخنے لگی۔ "میرا گڈو..... میرے گڈو کو بچالو..... وہ چودہ نمبر کمرے میں پھنسا ہوا ہے..... کوئی ہے جو نویں منزل پر چلا جائے اور میرے بچے کو بچالے!!" جواد کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ اس کے دماغ سے باہر نکل آیا۔

وقت کم تھا اور آگ پھیلتی ہوئی تیزی سے آٹھویں منزل تک پہنچ گئی تھی۔ آگ کے شعلے اوپر کی طرف لپک رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بہت سارے اژدھے اپنا منہ کھولے آگے بڑھ رہے ہوں۔ جواد نے آگ کی تپش بالکونی میں محسوس کی۔ گاڑھا گاڑھا کالا دھواں کمروں میں بھر رہا تھا۔ دھوئیں کی جلن سے جواد کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا اور وہ کھانسنے لگا پھر کھانستے کھانستے وہ بڑی تیزی سے چودہ نمبر فلیٹ کی طرف دوڑ پڑا۔ اس سے پہلے اس نے بچے کو ڈھونڈنے کا آغاز فلیٹ نمبر ایک سے کیا تھا۔

چودہ نمبر فلیٹ کا دروازہ کھُلا ہوا تھا۔ اس دروازے کے بالکل سامنے لیڈیز چپلوں کی ایک جوڑی آگے پیچھے بکھری پڑی تھی۔ بچے کی ماں جب بچے کو چھوڑ کر فلیٹ سے نکلی تھی تو گھبراہٹ میں اس کے پیروں سے جوتیاں نکل گئیں اور نیچے پہنچ کر یقیناً پیروں تلے سے زمین نکلی ہوگی جب اسے اپنے بچے کا خیال آیا ہو گا جسے وہ کمرے میں سوتا چھوڑ آئی تھی۔

جواد کھلے دروازے سے اندر داخل ہوا تو اس

کے سامنے ورانڈے کا حصہ آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک کمرہ بھی نظر آ رہا تھا جس کا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ "گڈو ...... گڈو!!" جواد چیختا ہوا اندر داخل ہو گیا اس کمرے میں گڈو نہیں تھا البتہ بہت سارا کالا دھواں بھرا تھا۔ یہ کالا دھواں جواد کے حلق سے نیچے اُترا تو اسے بہت زوروں کا ٹھسکا لگا۔ وہ بری طرح کھانسنے لگا۔ "کھوں کھوں کھوں ......!!! پھر جواد کھانستے ہوئے چلایا۔

"گگ ...... گگ ...... گڈو ......!!" اسی وقت دائیں طرف سے دروازہ پیٹنے اور کسی کے بے تحاشہ کھانسنے کا مِلا جُلا شور سنائی دیا۔ جواد نے دھوئیں کے درمیان دائیں طرف تیزی سے نظریں دوڑائیں۔ اسی کمرے کے ساتھ وہ کمرہ ملا ہوا تھا جس کا دروازہ بند تھا اور اسے اندر سے پیٹا جا رہا تھا۔ "امی ...... امی ...... مجھے بچائیں ...... آگ لگ گئی ...... امی ...... امی ...... کھوں ...... کھوں ...... کھوں ......!!! گڈو ماں کو پکار رہا تھا اور بُری طرح کھانس رہا تھا۔

جواد نے دروازے کو زور سے دھکا دیا اور یہ کوشش اس نے تین چار بار مسلسل کی لیکن دروازہ اندر سے بند رہا۔

"گڈو ...... دروازہ کھولو ...... میں تمہیں ...... کھوں کھوں ......!! جواد کو پھر ٹھسکا لگا۔ کمرے میں اب بہت زیادہ دھواں بھر گیا تھا۔ "دروازہ نہیں کھل ...... کھوں کھوں!! گڈو کی کپکپاتی آواز سنائی دی۔ "تم کوشش تو کرو ......!!" جواد چیخا۔ گھرے دھوئیں میں سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ دروازے کو ہلانے جُلانے کی آواز آئی پھر گڈو کی خوف میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ "آگ کھڑکی سے اندر آ رہی ہے۔" اس کے ساتھ کسی چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی اور دروازے کو پیٹنے کا شور بھی ختم ہو گیا۔ اسی وقت جواد نے گڈو کے لب و لہجے کو پکڑ کر اپنی سوچ کی لہریں اس کے دماغ میں پہنچا دیں۔ اب جواد گڈو کے دماغ میں تھا اور اس کی جلتی آنکھوں سے کمرے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں بے تحاشہ دھواں بھرا ہوا تھا اور آگ کے شعلے کھڑکی سے اندر آتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ گڈو خوف اور صدمے سے نیچے فرش پر گر گیا تھا اور بُری طرح کانپ رہا تھا۔

جواد نے پہلے تو گڈو کے دماغ میں یہ سوچ پیدا کی کہ مجھے گھبرانا نہیں چاہئے ...... میں ایک بہادر لڑکا ہوں۔ میں اس آگ سے لڑ سکتا ہوں۔" سوچ کی لہروں نے اس کے اندر ایک نئی طاقت سی بھر دی۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا اسی وقت بہت سارا کالا کالا دھواں اس سے آٹکرایا۔ "کھوں ...... کھوں ......!! گڈو بری طرح کھانسنے لگا اور آگے پیچھے ڈولنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں بہت سارا پانی بھر آیا تھا جس سے سامنے کا منظر دُھندلانے لگا تھا۔

جواد کو بھی اسی وقت زوروں کا ٹھسکا لگا اور اس کی سوچ کی لہریں گڈو کو کمرے میں بے یار و مددگار چھوڑ کر واپس آ گئیں۔ جواد کھانستے ہوئے پیچھے ہٹا۔ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ گاڑھا گاڑھا کثیف دھواں سانس کے ذریعے اس کے

مسکراہٹ

مرسلہ: صبا قادر، کراچی

○ ...... مسکراہٹ وہ تجارت ہے جس میں کوئی سرمایہ نہیں لگتا جس میں نفع ہی نفع ہے۔ لینے والوں کے لئے بھی دینے والوں کے لئے بھی مسکراہٹ ہر وقت نہیں رہتی لیکن اس کی یاد سالہا سال رہتی ہے۔ ہر تھکے ہوئے کے لئے طاقت، ہمت ہارنے والوں کے لئے امید کی کرن اور مصیبت زدہ کے لئے تریاق ہے۔

پھیپھڑوں میں اُتر رہا تھا۔ جواد نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں رگڑیں پھر دھوئیں میں ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا۔ اب کچھ کچھ نظر آنے لگا تھا۔

جواد نے کھانسی پر قابو پاتے ہی خیال خوانی کی پرواز کی اور دوبارہ گڈو کے دماغ میں پہنچ گیا۔ گڈو فرش پر گرا ہوا تھا۔ دھوئیں نے اس کی بُری حالت کر دی تھی۔ جواد نے دوبارہ اس کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ اس کے دماغ میں نیلی پیلی روشنیاں ناچ رہی تھیں اور آنکھیں دھوئیں کی جلن سے کبھی کھلتی تھیں کبھی بند ہو جاتی تھیں۔ گڈو کا دماغ کمزور ہوتا جا رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ ہی دم میں بے ہوش ہو جائے گا۔ جواد اسے بے ہوش نہیں ہونے دینا چاہتا تھا اس لئے اس کے دماغ میں سوچ پیدا کی" میں بہت بہادر ہوں ...... دھواں اور آگ مجھے بیہوش نہیں کر سکتا۔"

لیکن گڈو کی اپنی کمزور سی سوچ بھی دماغ میں اُبھری۔ "کیا میں مر رہا ہوں؟"

"نہیں نہیں...... میں نہیں مر سکتا...... اللہ کو میری زندگی منظور ہوگی تو میں نہیں مر سکوں گا...... مجھے زندہ رہنا ہے...... میں زندہ رہوں گا۔" جواد نے کمزور سوچ کو دباتے ہوئے گڈو کے دماغ میں چیخ کر کہا۔

"لیکن میں اب زندہ نہیں ...... کھوں کھوں کھوں ......!!!" نیلی پیلی روشنیاں ننھے بچے کے اندھیرے میں ڈوبتے دماغ میں ناچنے لگیں۔ بچہ کچھ دیر تک کھانستا رہا پھر اس نے بڑی مشکلوں سے گردن اوپر اٹھا کر کمرے کا منظر دیکھا۔ یہ خواہش جواد نے اس کے دماغ میں پیدا کی تھی۔ سوتی جاگتی آنکھوں سے گڈو نے نہیں جواد نے گڈو کی آنکھوں سے دیکھا۔ آگ کے پھنکارتے ہوئے شعلے کھڑکی کے راستے کمرے میں گھس آئے تھے۔ کمرے میں تپش کے ساتھ ساتھ کالا دھواں بھی بھرتا جا رہا تھا۔

"کھوں ...... کھوں ...... کھوں!!" گڈو مدھم سی آواز میں کھانسا اور پھر اس کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔

"گڈو...... گڈو...... گڈو......!!!" جواد بُری طرح چیخ رہا تھا لیکن گڈو کچھ نہیں سُن رہا تھا اس کے دماغ میں اب اندھیرے کا راج تھا......!!

(جاری ہے) .... اس سنسنی خیز کہانی کے مزید حیرت انگیز اور دلچسپ واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

مزید محنت کی ضرورت ہے

نا قابل اشاعت تحریریں ضائع کر دی جاتی ہیں۔ ایسی تحریروں کی واپسی کا مطالبہ نہ کریں۔ تحریر بھیجتے وقت اس کی ایک نقل اپنے پاس ضرور محفوظ رکھیں!! (ادارہ)

"سرسید اور انگریز" ریما تنویر، راولپنڈی۔ "مزاح اور سنجیدگی" عبدالحمید قمر شیخ، دادو۔ "سمندر اور نمک" عبد الباسط عمران ظفر، ڈسکہ "انجام" عین الحق امین، کراچی۔ "کامیابی کی تلاش" کامران وسیم غفاری، کراچی۔ "نیکی کا بدلہ" ریاض جاوید طاہر، بورے والا۔ "جلدی کا انجام" محمد انور خان بیٹنی، کوٹ گلان۔ "پاکستان ہماری جان" محمد جاوید، جلال پور پیر والہ۔ "قائداعظم" عامر خالق قریشی، ایبٹ آباد۔ "سوتیلی ماں" فوزیہ شاہین، گلوس نوگزئی۔ "چاند پور کے عقل مند" حسن عمران، ملتان۔ "پلا" محمد اشفاق، پنڈو محمد خان۔ "امتحان" عاصم رحمٰن، لاہور۔ "ریڈیو" سیدہ حنا نورین کاظمی، کراچی۔ "مچھیرا اور پیتل کی بوتل" سراج احمد جانگ، تلہا۔ تیرے دل میں اتر جائے میری بات" محمد شکیل راجپوت (؟) "آنکھ مچولی" شکیل احمد۔ سمبڑیال۔ "انمول موتی" شہزاد حسین، منڈی بہاؤ الدین۔ "یہودی لڑکی" خوش بخت صوفیہ رضوی، ایبٹ آباد۔ "بوسینا" (نظم) ربیعہ فاروقی، جھنگ۔ "ہمارا دیس" "کشمیر کے مجاہدو" "نیکی کا بدلہ" عبد القدیر انڈہٹر، پنو عاقل۔ "سردی آئی" (نظم) محمد شہباز جتوئی، کراچی۔ "مسٹر پیٹو" مظہر اقبال، سرائے عالمگیر۔ "امانت" محمد امتیاز، کوہاٹ۔ "صلہ" صبا ارم، لاہور۔ "آخری کارڈ" سید راحت نقوی، کراچی۔ "عظیم بیٹے" قاسم بن نظر، کراچی۔ "محمد موسیٰ خوارزمی" "پارس پتھر" "کیفیت" آصف بن شرف، پنجگور۔ "چوں چاں" پرنس عمر ریاض ساگری، جہلم۔ "محمد علی، کراچی۔ "گراہم بیل" ذیشان غلام نبی، کراچی۔ "کھیل کھیلیں" محمد مقیم، رتو ڈیرو۔ "کیا گھورتے ہو" ایم سکندر، نواب شاہ۔ "بلا عنوان" شبیر احمد (؟) "نا قابل فراموش واقعہ" عبد البلدی طاہر، اوکاڑہ۔ "ہم نے کی شرارت" عظیم اختر میمن، میرپور خاص۔ "سری نگر کی بیٹی" عبد الرحمٰن عزیز، بہاول نگر۔ "گمشدہ رسالہ" رانا ندیم احمد خان، لاہور۔ "کہانی" رانا طارق جاوید، اوکاڑہ "بہادر درزی" سیدہ افشاں افتخار، کراچی۔ "اولاد" محمد فاروق حسین، کراچی۔ "فلاح" روح اللہ خان، کراچی۔ "اصلاح" محمد انوار، کوٹ گلان۔ "دو بھائی" (نامعلوم) "حق دوستی" کنول ملک، کوٹری۔ "سورج غائب" منوج کملر (؟) نعت "ریل گاڑی" سید امان علی، حیدر آباد۔ ہائے ہماری نیکی "عمیر خان، کراچی۔ "ظالم ملکہ کا انجام" ثمرین فاطمہ، جھنگ صدر۔ "ہضمی نسخے" فوزیہ چغتائی، لاہور۔ "انتقامی شرارت" صدف بشیر خاں، کراچی۔ "مجرم کون" افشاں بشیر کراچی۔ طلسمی ہوا، عادل فاروق، گوجرانوالہ۔ "چھٹیاں" حنا ایاز، کراچی۔ "شریر کہیں کا" طارق محمود، راولپنڈی، "پیاسا کوا" راشد ارشد، لاہور۔ عید الاضحیٰ" رقیہ کاظمی، واہ کینٹ۔ "خون سرخ کیوں ہوتا ہے" عبداللہ ادیب، پشاور۔ "غرور کا سر نیچا" قرۃ العین عینی (؟) "دولت کی ہوس" کاشف عبد الغنی جتنی، حیدر آباد۔ "چوری کی آگ" حاجی نواب خان، پنڈی گھیب۔ "اے مسلمانو!" سمیعہ رفیع کراچی۔ "آپ بیتی" محمد عمران زاہد، اوکاڑہ "حسنین اور ایک بوڑھا" محمد مصطفیٰ، فیصل آباد۔ "تین افراد تین سوال" محمد انور خان بھٹنی، کوٹ گلان۔ "بلی کا بچہ" نثار زاق، لاہور کینٹ۔ "آلودگی" کہکشاں ظفر، کراچی "اف وہ پٹائی" سید

عاطف فیروز، کراچی۔ "ایٹم بم اور اس کے اثرات" محمد جاوید سلیم سوہیل، کاموکی۔ "بڑا بھائی" "ٹیپو سلطان شہید" فرحین طاہر شمسی، کراچی۔ "پھل" رابعہ انصاری، کراچی۔ "پر اسرار باغ، افتخار حسین تاج، دادو "انصاف کہاں ہے؟" عمران علی سومرو، لاڑکانہ۔ "اتحاد" سمیر الیاس، اسلام آباد۔ "نبی کے اخلاق" مدیحہ پرویز، کراچی۔ "اپریل فول" محمد عمران شاہد (؟) "کون کس کا موجد" آصف نصر اللہ، کراچی۔ "تاریخ کے دریچے سے" محبوب الرحمٰن، اور بشی۔ "ٹیلی فون" ذیشان ریاض، پشاور۔ "چڑیل" عظیم اختر میمن، میرپور خاص، "دیانت داری کا صلہ" سید ساجد حسین شاہ، منڈی بہاؤ الدین "یتیم بچہ" محمد انور خان بھیٹنی، کوٹ گلان۔ "سرمایہ افتخار" شازیہ صدیق، ملتان۔ "میراج" "ریڈار" محمد عابد گل، ہری پور۔ "کیوں کیسی رہی" نذر بتول، جہلم شہر۔ "قرض" "محنت میں عظمت" صاحبزادہ عبد الغفار میمن، حیدر آباد۔ "گمراہ" سید صفدر رضا رضوی، کراچی۔ "ڈیزی" "آخری پتا" سائرہ صدف، رحیم یار خان، "آب حیات کا پیالہ" "انوکھا داستان" "اکبر ڈاکو" محمد انور خان، بھیٹنی، کوٹ گلان۔ "بلاعنوان (نامعلوم) "چوہا (نظم)" "ضرب المثل" "معلومات" شہربانو بخاری۔ رحیم یار خان۔ "اتحاد" (نظم) زرین شفیق، "امام ابو حنیفہ اور ان کا پڑوسی" سید ہارون اختر، لاہور کینٹ۔ "پہچان" طارق رفیق بھٹی، اوکاڑہ۔ "حیرت کی بات" محمد شکیل راجپوت، ہالا۔ "گولڈن ہاؤس" سیدہ حبیبہ زہرہ، لاہور کینٹ۔ "ایثار" سمیعہ بتول۔ اوکاڑہ۔ "نعت" محمد حسن عارف خان (؟) "سیاچن گلیشئر" "ناقابل شکست" اکرم اللہ، نوشہرہ "نقل" "لمحہ فکر" عروج زہرہ، راولپنڈی۔ "کھیل یا جوا" زوار حسین، مردان۔ "احساس" محمد بلال، سوات۔ "بلاعنوان" رحمت اللہ بشیر گجرات "ہمارے ملک میں جرائم" زاہد مزمل، کراچی۔ "ہم نے سائیکل چلائی" حیدر شکیل، خوشاب۔ "ایک پیاری ندیا" سدرہ مصطفیٰ، کراچی۔ "ننھا شہید" عائشہ جاوید، اسلام آباد۔ "سفارش" ایس ثمرہ کاشف، حافظ آباد۔ "ریڈیو گپستان" سعدیہ حلیمہ، پشاور شہر۔ "میری باجی اور بھائی کا کالج میں پہلا دن" فاطمہ قریشی، ترناب۔ "پاک وطن" رانا محمد شاہد، بوریوالہ۔ "دس روپے کا نوٹ" سعید اقبال، کراچی۔ "یہ زمیں" آسیہ ادریس، کاموکی۔ "بندر کی ہوشیاری" کے ثمرہ چوہدری، گوجرانوالہ۔ "وصیت" سید کاشف رضوی. علی پور۔ "مزاحیہ خبرنامہ" نادیہ عبد الخان. کراچی۔ "نئی زندگی" وقاص ملال، اسلام آباد۔ چچا کی چالاکی" عرومہ یونس. اسلام آباد۔ "خواب راہ نجات" شیرباز کلاچی. تونسہ شریف۔ "پھول" سیدہ حنا نورین کاظمی، کراچی۔ "قربانی" (؟) "چودہ اگست" زرفشاں شبیر، کراچی۔ "برسات کا موسم" افشاں غوری، حیدر آباد۔ "تم ہو پاسباں اس کے" ثمینہ زہرہ، جھنگ۔ "اداسی" محمد اجمل انصاری، کراچی۔ "بڑے بھیا کی بہادری" تابندہ عباس، کراچی۔ "بادشاہ اور نجومی" عرفان احمد خان سولنگی، حیدر آباد۔ "پاکستان کا مطلب کیا" محمد عمران خان. گوگیرہ خاص۔ "قلم دوست" "وسیلہ" رضوان اکرم، رحیم یار خان۔ "کب فضا آزاد ہوگی" مجاہد حسین، کراچی۔ "مشہور موجد" عدنان ملک، ملتان۔ قیام پاکستان" وقار افتخار بیگ. کراچی۔ "آج کی تعلیم" ندرت خواجہ، کراچی۔ "خط" احمد مسعود. فیصل آباد۔ "جو بن کھلے مرجھا گئے" سید طارق اسلام. کراچی۔ "اصلاحی کوشش" "تضاد" برکت علی روگی، سانگھڑ۔ "آم" "چندا کا دھندا" "بارش" انیلا ناز عمر، کراچی۔ "خلیفہ" فدا محمد قمر، حویلیاں۔ "ایک ہی گھر پہ رحم" "حمد" عامر محمد صابر (؟) "بے بسی" اعجاز احمد سومرو، خیرپور میرس۔ "ستاروں جیسی دوستی" صائمہ دلدار، جھمرہ سٹی۔ "ربر کی کہانی" پائندہ خان، ملتان۔ "نشان حیدر" نعمان عطاء اللہ، گوجرانوالہ۔ "نعت" سید عدیل رضا عابدی. جہلم۔ "نہلے پہ دہلا" "محب وطن" منیر احمد، ڈیرہ اسماعیل خان۔ "ظلم کا بدلہ" فریحہ کھوسو، جیکب آباد "ابو ریحان البیرونی" محمد فیصل فیاض، کراچی۔ "گناہوں کا علاج" "کفایت شعاری" کاشف علی رضوی، کراچی۔

قلم دوست

ان کی تحریریں جو ادیب بننا چاہتے ہیں

کرنیں

مرسلہ: محمد سلیم امام، متحدہ عرب امارات

محمد بن ابی عامرؒ قرطبہ کے گورنر تھے۔ ایک دن ان کے بیٹے نے اپنے باپ کی گورنری کے غرور میں ایک غریب بچے کو چند بید مار دیئے۔ اس بچے کے والدین نے گورنر سے شکایت کی۔

محمد بن ابی عامرؒ نے اپنے عزیز بیٹے کو فوراً عدالت میں طلب کر لیا۔ جب شکایت دُرست ثابت ہو گئی تو آپ نے اپنے بیٹے کو اتنے ہی بید مارنے کی سزا سنائی۔ حکم کی تعمیل میں جب اتنے ہی بید اس کو مارے گئے تو وہ بیٹا برداشت نہ کر سکا۔ اور زخموں کی نہ تاب لاتے ہوئے سب کے سامنے مر گیا۔

گورنر محمد بن ابی عامرؒ نے لاش کو گھر پہنچانے کا حکم دیا۔

عدالتی کاموں سے فارغ ہونے کے بعد وہ گھر پہنچے تو اپنے بیٹے کی لاش سے لپٹ کر رونے لگے۔ ان کی بیوی نے باپ کو بیٹے کی لاش سے لپٹ کر روتے دیکھا تو بولی۔ "آپ نے خود اسے سزا دی ہے۔ اب کیوں روتے ہیں؟"

محمد بن ابی عامرؒ بولے۔ "میں نے اپنے فرض کی تکمیل میں اپنے بیٹے کو یہ سزا ایک حاکم کی حیثیت سے دی ہے۔ اب میں ایک باپ کی حیثیت سے رنج و غم کا اظہار کر رہا ہوں۔ یہ میرا حق ہے۔ بحیثیت ماں تمہیں بھی اپنے بیٹے کی موت پر صبر کرنا چاہئے کیونکہ حاکم کی نظر میں سب برابر ہوتے ہیں اس کے اپنے بیٹے اور رعایا میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ رعایا بھی اسکی اولاد ہوتی ہے۔"

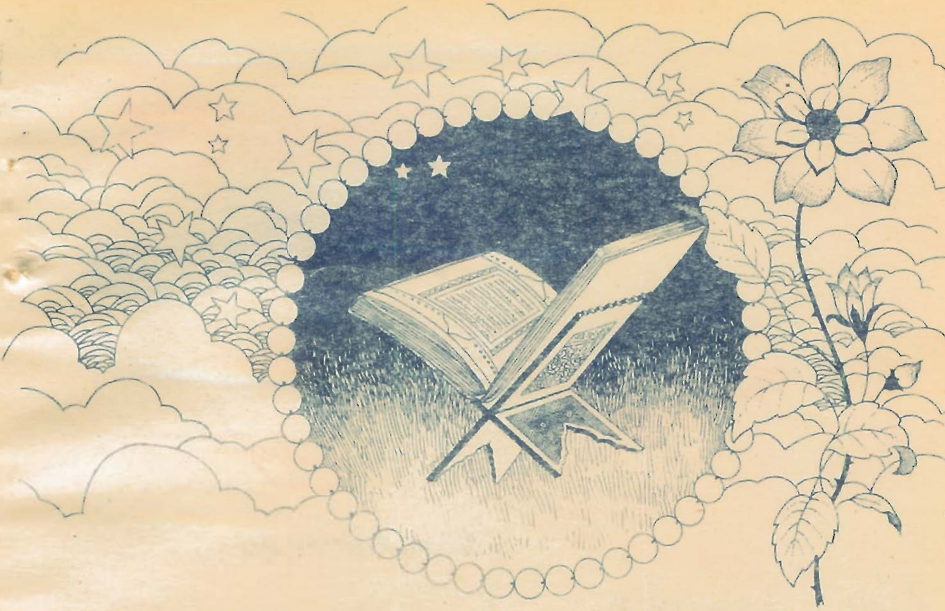

مرسلہ

تاریخ اسلام کے روح پرور واقعات

محمد دانیال الحق، حیدر آباد

تاریخِ اسلام ایسے بے شمار حیرت انگیز اور ناقابل یقین واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں سے بہت سے واقعات کی تشریح آج بھی ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ ان میں وہ واقعات بھی شامل ہیں جن پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ ہجرتِ مدینہ سے تقریباً ۵ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ کفارِ مکہ کے کہنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جس کو ساری دنیا نے دیکھا کہ ایک حصہ مشرق میں اور دوسرا حصہ مغرب میں چلا گیا۔ اس واقعے کی تصدیق موجودہ دور کے امریکی اور روسی خلانوردوں نے چاند کا معائنہ کرنے کے بعد کی ہے یہ واقعہ "شق القمر" کے نام سے مشہور ہے۔

۸ھ میں خیبر میں یہودیوں کے خلاف غزوہ خیبر ہوا۔ تمام قلعے فتح ہو گئے سوائے قلعہ قموص کے۔ کئی حملوں کے بعد بھی جب قلعہ فتح نہ ہو سکا

توحضورؐ نے شیر خدا، حضرت علیؓ کو بھیجا۔ وہ گئے اور انہوں نے مقابلے کے بعد قلعہ فتح کر کے قلعے کے مضبوط لکڑی کے دروازے کو اکھاڑ پھینکا۔ وہ دروازہ کہ جس کو چالیس ہاتھی اور کئی سو افراد پکڑ کر کھینچتے تھے اسے صرف حضرت علیؓ نے اکھاڑ پھینکا۔ یہ سب ایمان کی طاقت تھی۔

۹ھ میں غزوہ تبوک ہوا۔ مسلمانوں کے کئی سپہ سالاروں کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی آخر کار حضرت خالدؓ بن ولید نے مسلمانوں کی کمان سنبھالی اور اتنی بہادری سے لڑے کہ اس دن حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں سے آٹھ تلواریں ٹوٹیں آخر میں ان کے پاس صرف ایک تلوار رہ گئی تھی۔ آپؐ نے حضور ؐ "سیف اللہ" کا خطاب عطا فرمایا۔

ابن الہشیم نے ایک کتاب "کتاب المناظر" تصنیف کی جو علم روشنی پر سب سے پہلی جامع کتاب ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ روشنی ایک قسم کی توانائی ہے۔ قوس قزح پر تحقیق کر کے دنیا کو قوس قزح کے رنگوں کے مختلف ہونے کی وجوہات بتائیں۔ انہوں نے زمین کی فضا میں بغیر بلند ہوئے کرۂ زمین کے گرد موجود کرۂ ہوائی اور اس کی موٹائی سے لوگوں کو متعارف کروایا۔

جب حضورؐ کی وفات کے بعد عرب میں بغاوت ہو گئی تو حضرت ابو بکرؓ نے حضرت علاء بن الحرزمی کو بغاوت کچلنے کے لئے بھیجا۔ جب آخری جزیرہ صرف سمندر کی وجہ سے فتح نہ ہو پا رہا تھا تو حضرت علاء بن الحرزمی نے وہ تاریخ ساز فیصلہ کیا۔ جس کو دیکھ کر کُفّارِ عالم کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ حضرت علاء بن الحرزمی نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا اور سارا اسلامی لشکر بھی سمندر میں اتر گیا آخر کار وہ آخری جزیرہ بھی فتح ہو گیا۔

اسی طرح جب دمشق تقریباً مکمل فتح ہو گیا تو صرف مدائن کو فتح کرنے کے لئے دریائے دجلہ کو پار کرنا تھا۔ مسلمانوں کے پاس کشتیاں نہیں تھیں لیکن مسلمان تو وہ قوم ہے جو کبھی کسی قسم کی دنیاوی امداد کی پروا نہیں کرتی بلکہ ہمیشہ نصرتِ خداوندی پر بھروسہ رکھتی ہےآخر کار حضرت سعدؓ نے جو کہ مسلمان فوج کے سپہ سالار تھے۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کی روحوں کو شرمندہ نہ ہونے دیا بلکہ وہ جرأت مندانہ فیصلہ کیا جو ابد تک بے مثال ہے۔ انہوں نے ساری مسلمان فوج کے ساتھ دریا پار کیا اور مدائن فتح کر لیا۔

جب چنگیز خان نے عالمِ اسلام کی غفلت کی وجہ سے ظلم و بربریت کا بازار گرم کر رکھا تھا تو سلطان جلال الدین خوارزم شاہ آخری چٹان کا کام دے رہا تھا جب آخری معرکہ دریائے سندھ کے کنارے ہوا تو سلطان نے آخر دم تک لڑ کر عزّت کی موت کا چناؤ کر لیا اور اپنے گھوڑے سمیت دریا میں چھلانگ لگا دی۔ چنگیز خان نے وہ عظیم کلمات کہئے جو اس مرد مجاہد کے شایان شان تھے کہ "خوش نصیب ہے وہ باپ جس کا بیٹا جلال

الدین جیسا ہو اور مبارک ہیں وہ مائیں جو ایسے شیروں کو دودھ پلاتی ہیں۔"

مسلمانوں نے صرف میدان جنگ میں ہی کارنامے انجام نہیں دیئے بلکہ ہر قسم کے علوم و فنون میں بھی ایسے معرکتہ الآرا کارنامے انجام دیئے جن کی کوئی نظیر نہیں ہے مثلاً۔ ابو نصر فارابی ستّر (۷۰) زبانوں کا ماہر تھا۔ اسی طرح ابو الفضل نے ایک قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر عربی میں لکھی تھی جس میں کوئی نقطہ نہیں تھا اور پھر بھی عبارت سمجھ میں آتی تھی۔

دیکھا آپ نے کہ جب مسلمانوں نے اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھاما تو علوم و فنون کے دروازے ان پر کھل گئے اور انہوں نے اپنے قلم اور تلوار سے ایک نئی تاریخ رقم کی اور یہ اب بھی ممکن ہے بس وہی جذبۂ ایمانی تازہ کرنے کی ضرورت ہے جو ہمارے اسلاف میں تھا۔

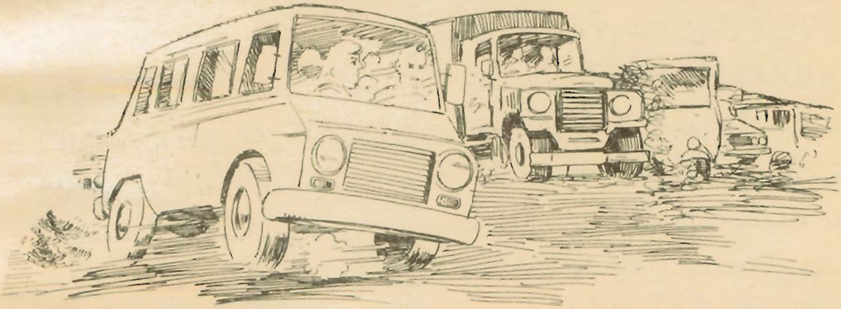

علم کے زینے

ابرار حسین کرولی

مجھے راولپنڈی جانا تھا۔ میں سرگودھا سے بس میں سوار ہوا۔ بس راولپنڈی کی طرف روانہ ہو گئی۔ موسم کافی خوش گوار تھا اور پھر باہر کے خوب صورت مناظر، پیچھے کی طرف دوڑتے ہوئے درخت بڑے بھلے لگ رہے تھے۔ میں کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ قدرتی پہاڑ سینہ تانے کھڑے دعوتِ نظارہ دے رہے تھے اور سڑک سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی دور تک چلی گئی تھی۔ میں یونہی ٹھنڈی ہوا میں قدرتی حسن سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد "پیل" نامی ایک گاؤں آیا یہاں موسم نے کچھ کروٹ لی اور گرمی کا احساس ہوا۔ بس تیزی سے چلی جا

رہی تھی تقریباً پوری ہی بس بھری ہوئی تھی۔ کنڈیکٹر گیٹ کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد ہم چکوال پہنچے۔ مسافروں کا تبادلہ ہوا۔ کچھ نئے مسافر سوار ہوئے کچھ اُتر گئے۔ بس چل پڑی اور پھر اچانک رُک بھی گئی کیونکہ آٹھ دس لڑکے جو کہ اسٹوڈنٹ دکھائی دیتے تھے، بس میں سوار ہوئے۔ انہیں "منگوال" نامی گاؤں جانا تھا۔ کنڈیکٹر نئے مسافروں سے کرایہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ جب اس نے لڑکوں سے کرایہ مانگا تو وہ اکڑ گئے۔

"دکھائی نہیں دیتا ہم اسٹوڈنٹ ہیں۔"

کنڈیکٹر کے چہرے سے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اسے لڑکوں کا لہجہ ناگوار گزرا ہے پھر بھی اس نے دھیمے لہجے میں کہا "اسٹوڈنٹ ہو تو کارڈ دکھاؤ۔"

ایک لڑکے نے ذرا آگے بڑھتے ہوئے کچھ اکڑتے ہوئے کہا۔ "اے! تم کو کتابیں نظر نہیں آ رہیں اور یہ بستے کن کے پاس ہوتے ہیں ......؟"

"کارڈ ہے تو دکھاؤ زیادہ بک بک مت کرو۔" کنڈیکٹر کو غصہ آ گیا۔

"جاؤ ہم کارڈ بھی نہیں دکھاتے، کرایہ بھی نہیں دیتے، کیا کر لو گے تم؟"

"میں پورا کرایہ لوں گا۔"

"تمہارے ابا جان بھی نہیں لے سکتے۔" اس کے ساتھ ہی وہ سب کے سب لڑکے کنڈیکٹر پر پل پڑے اور اس کو لاتوں گھونسوں سے خوب مارا۔

لوگوں نے کنڈیکٹر کو بڑی مشکلوں سے لڑکوں کی مار پیٹ سے چھُڑایا۔ کنڈیکٹر کو ایک سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ ڈرائیور بھی چُپ تھا کہ کچھ تواضع اس کی بھی نہ ہو جائے۔

شیطانوں کا ٹولہ اپنے اسٹاپ آنے پر نیچے اُتر گیا۔ بس پھر چل پڑی۔ پھر وہی سفر وہی راستے وہی مناظر مگر اب میرا ان مناظر کو دیکھنے کو بالکل بھی جی نہیں چاہ رہا تھا۔

میرا ذہن تو ایک ہی نقطے پر مرکوز تھا کہ ہمارے مستقبل کے معمار ایسے ہیں تو ہمارے ملک کا مستقبل کیا ہو گا؟

ٹھیک ہے حکومت نے طالب علموں کے لئے رعایتی کرایہ طے کر رکھا ہے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم اپنا کارڈ شو کریں تاکہ پتہ چل سکے کہ وہ واقعی طالب علم ہیں!!!

اسلامی معلومات

مرسلہ: افتخار عالم

۱۔ جنگِ یرموک میں تین ہزار مسلمان شہید ہوئے تھے۔

۲۔ رمضان المبارک کے علاوہ آنحضرت نے ماہِ شعبان میں روزے رکھے۔

۳۔ سورہ یٰسین کو قرآن مجید کا دل کہا گیا ہے۔

۴۔ قرآن مجید میں "قُل" سے شروع ہونے والی صورتوں کی تعدار چار ہے۔

۵۔ قرآن مجید میں چھ سورتیں انبیائے کرامؑ کے نام سے ہیں۔

سید سفیان نتاہی

شرارتی دریافت

یہ ۱۹۸۴ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت ہم جدّہ (سعودی عرب) میں رہتے تھے۔ دوسرے بچوں کی طرح عجیب وغریب شرارتیں کرنا ہمارا مشغلہ تھا۔ کبھی ساتھ والوں کی گھنٹی بجا کر بھاگ گئے تو کبھی کسی کے کپڑوں پر سیاہی پھیلا دی۔

عام شرارتیں کر کر کے ہم تنگ ہو چکے تھے۔ اور اب ہمارا سازشی ذہن کسی نئی شرارت کے بارے میں سوچنے میں مصروف تھا۔ ابھی ہم کسی اچھوتی شرارت کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ ابو کی آواز آئی۔ "ارے بھئی میرے جوتے کہاں گئے؟ ہزار مرتبہ سمجھایا ہے کہ میرے جوتے نہ پہنا کرو۔"

ابو کی آواز سنتے ہی ہمارے ذہن میں ایک زبردست شرارت سمائی اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ہم مزید سوچ بچار میں مصروف ہو گئے۔

اگلے دن جب سب سو رہے تھے تو ہم خاموشی سے اپنے بستر سے اٹھے اور ابو کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ ابو خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ ہم نے ان کی چپلیں اٹھا کر اپنی الماری میں چھپا دیں۔ پھر بھائی جان کے کمرے میں گئے اور ان کی چپل بھی اٹھا لائے...... تھوڑی ہی دیر میں میری الماری میں ابو، باجی، بھائی جان اور عثمان سبھی کی چپلیں موجود تھیں۔ امی چونکہ باورچی خانے میں ناشتہ تیار کر رہی تھیں، اس لئے وہ اس منصوبے کی زد میں نہ آسکیں۔ میں نے چپلوں کو میلے کپڑوں کے ڈھیر میں چھپا دیا۔ پھر تھوڑی دیر میں ابو، باجی، بھائی جان، سب ننگے پاؤں اپنی اپنی چپلیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ اور میں خاموشی سے ناشتہ کر رہا تھا۔

آج چونکہ جمعہ تھا اس لئے کپڑوں کی دھلائی کے لئے مشین نکالی گئی۔ تھوڑی دیر بعد صفائی

کرنے والی عورت جسے ہم خالہ کہتے ہیں، آ گئی اور اس نے تمام میلے کپڑے اٹھا کر مشین میں ڈال دیئے۔ تھوڑی دیر بعد جب اس نے کپڑے نکالے تو چپلیں بھی ساتھ ہی نکل آئیں۔

سب لوگ بڑے حیران ہوئے کہ چپلیں مشین میں کس طرح گھس گئیں کسی کو پتہ نہ چلا کہ یہ شرارت میری ہے۔

چپلیں مشین میں دھل کر بہت صاف ہو چکی تھیں۔ اور ہماری شرارت کی وجہ سے ایک نئی ترکیب دریافت ہو گئی۔ اب جب بھی کپڑے دھلتے ہیں تو آخر میں ہم سب گھر والے اپنی چپلیں مشین میں ڈال دیتے ہیں۔ اس طرح وہ بھی صاف ہو جاتی ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو ایسا کر کے دیکھئے۔ مگر خیال رکھئے گا کہ صرف چپلیں مشین میں ڈالنی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جوتے یا جوگر ڈال دیں پھر تو صفائی کی بجائے صفایا ہو جائے گا۔

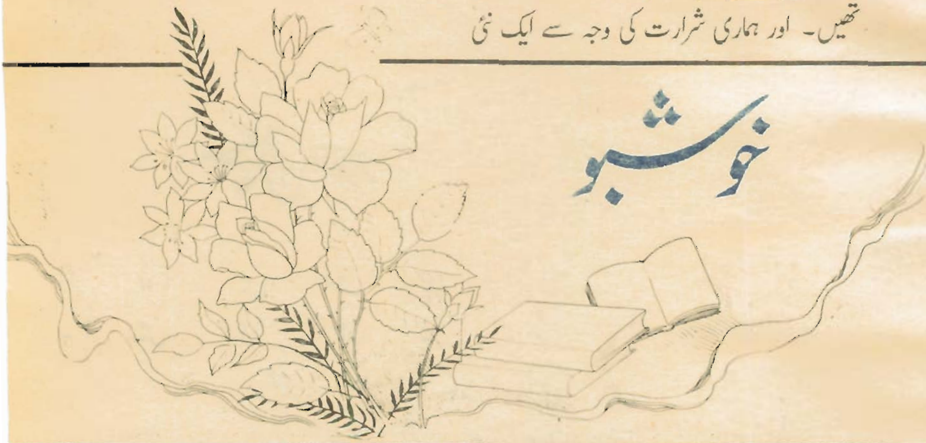

خوشبو

○ ..... ماں ایک خوشبو ہے جس سے جہاں مہک رہا ہے۔

○ ..... ماں ایک سایہ ہے جس کے پاس ستانے سے زندگی بھر کی تھکن اُتر جاتی ہے۔

○ ..... ماں ایک دُعا ہے جو سدا سر پر تنی رہتی ہے۔

○ ..... ماں ایک آہ ہے جو سیدھی عرش پر جاتی ہے۔

مرسلہ: سید محمد اسامہ، راولپنڈی

○ — معاف کر دینے کا دوسرا نام محبت ہے۔

○ — دوسروں کی غلطیاں معاف کر دو لیکن اپنی غلطیوں کو ہرگز ہرگز معاف نہ کرو۔

○ — خدا بندے کو معاف کر دیتا ہے لیکن بندہ بندے کو معاف نہیں کرتا۔

○ — معاف کر دینے والے عظیم انسان ہوتے ہیں۔ "سوری" کیجئے اور دل جیت لیجئے۔

مرسلہ: رضوان حسین نقوی

حمدِ باری تعالیٰ

ذِکر ہوتا نہیں کہاں تیرا
یہ زمیں تیری، آسماں تیرا

رحمتیں اس جگہ برستی ہیں
اے خدا ذِکر ہو جہاں تیرا

ناز ہو کیوں نہ بخت پر اپنے
ذِکر کرتی ہے جب زباں تیرا

جو مِلا ہے ہمیں وہ تجھ سے مِلا
ہم پہ احساں ہے بے گماں تیرا

لب پہ تیری ثنا سُبحان اللہ
ہے وظیفہ مِرا سُبحان اللہ

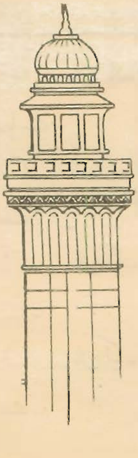

مرسلہ: خیرالنسا شیخ

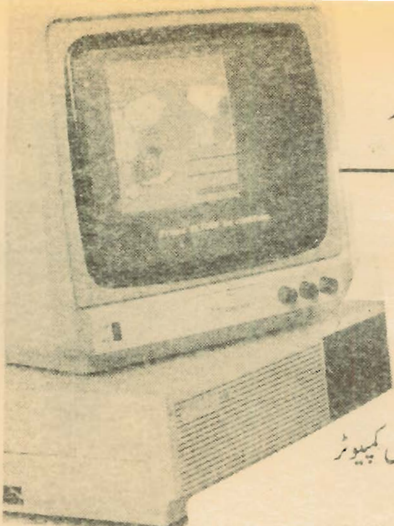

کمپیوٹر

انسان کا عظیم خدمت گار

اشفاق احمد شیخ، لاڑکانہ

اگر ہم بیسویں صدی کی سائنسی ایجادات کا جائزہ لیں تو ان سب میں سے کمپیوٹر کی تخلیق سب سے حیرت انگیز نظر آئے گی کیوں کہ گزشتہ چند سالوں سے کائنات سے لے کر انسان تک ہر مسئلے میں اس کا عمل دخل بڑھ گیا ہے۔

کمپیوٹر کی تین اقسام ہیں۔ ۱۔ ڈیجی ٹیل کمپیوٹر ۲۔ اینالاگ کمپیوٹر ۳۔ ہائبرڈ کمپیوٹر

کمپیوٹر ایک اہم تیکنیکی اور جدید مشین ہے۔ یہ آدمی کی صلاحیتوں میں اضافہ کرتی ہے۔ جدید کمپیوٹر کی تاریخ ۱۹۳۷ء (ہارورڈ یونیورسٹی) سے شروع ہوتی ہے جب کہ اس یونیورسٹی کے فزکس کے پروفیسر نے ایک ایسی مشین بنائی جو حسابی مساوات حل کر سکتی تھی۔

۱۹۴۳ء میں پنسلوینیا یونیورسٹی میں موری سکول آف الیکٹریکل انجینئرنگ میں پہلا جدید کمپیوٹر بننا شروع ہوا اور ۱۹۴۶ء تیار ہوا۔ اس میں ۱۸۰۰۰ ویکیوم ٹیوبز استعمال کی گئیں۔

کمپیوٹر ٹیکنالوجی کو ترقی دینے میں مس انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کا بھی کافی ہاتھ ہے۔ جنھوں نے ایک کمپیوٹر بنایا جو ۱۹۵۱ء میں تجربے کے طور پر استعمال ہوا۔ یہ مشینی کمپیوٹر صحیح طور پر پروگرام شو کرنے والا کمپیوٹر تھا۔

۱۹۵۴ء کے بعد آئی بی ایم نے پہلا ۶۵۰ کمپیوٹر بنایا۔ ان کا یہ کمپیوٹر اگلے پانچ سال تک بڑا کامیاب رہا۔

۱۹۷۰ء کے بعد کمپیوٹر ٹیکنالوجی میں جو نمایاں پیش رفت ہوئی اس میں مائکرو سیسر ایک چھوٹی ساٹو سٹیٹ مشین ہے لیکن یہ ایک چھوٹا مکمل کمپیوٹر ہے۔ آہستہ آہستہ کمپیوٹر میں تبدیلیاں آتی رہیں اور یہ جدید ترین بنتا گیا۔ لیکن یہ انسان سے زیادہ ہرگز عقلمند نہیں کیوں کہ ایک انسانی دماغ ہی کی تخلیق ہے۔

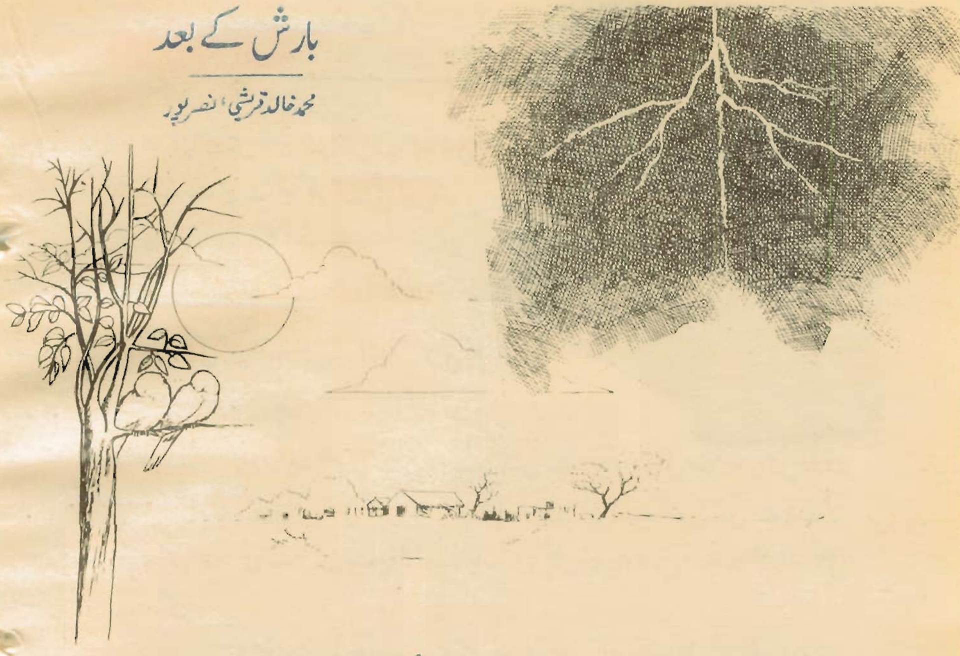

بارش کے بعد

محمد خالد قریشی، نصر پور

طائر چہک رہے ہیں — گُل بھی مہک رہے ہیں
بارش کے بعد کیسے — غنچے لہک رہے ہیں
اب چھوڑ کر کنارا — چشمے چھلک رہے ہیں
زیرِ زمیں خزانے — باہر جھلک رہے ہیں
ہریالی کھیت میں ہے — کلیاں دمک رہے ہیں
پھولوں کی شان دیکھو — شاخوں کو ڈھک رہے ہیں
بچے مگن خوشی میں — کیسے مٹک رہے ہیں
حلوہ پکا گھروں میں — چولہے دہک رہے ہیں

خوش ہو کے لوگ سارے
سجدے میں جُھک رہے ہیں

کبھی ہم بھی شریر تھے!

عمیر خان

پیارے دوستو اور پیارے دشمنو! آج میں آپ کو اپنی کچھ شرارتیں بتانا چاہتا ہوں۔ یہ کچھ تکلیف دینے والی بھی ہیں اور کچھ مسکراہٹیں بکھیرنے والی بھی۔ شرارتیں پڑھئے اور سردھنئے۔ دوسروں کا نہیں اپنا۔

وہ چھٹی کا دن تھا۔ صبح اٹھا تو امی نے ڈبل روٹی لینے بھیج دیا۔ بیکری پہنچا تو پتہ چلا کہ ڈبل روٹی ختم ہو چکی ہے۔ میں واپس پلٹا اور گھر آنے لگا۔ راستے میں ایک میدان پڑتا تھا۔ جہاں کچھ لوگ اینٹیں بنا رہے تھے۔ اس وقت گرم اینٹیں بالکل ڈبل روٹی لگ رہی تھیں۔ مجھ کو ایک دلچسپ شرارت سوجھی۔ میں واپس بیکری گیا اور دوکاندار سے ڈبل روٹی کا لفافہ مانگا جو کہ مل گیا۔ پھر میں میدان پہنچا اور ایک اینٹ اٹھائی۔ اسے لفافے میں ڈالا۔ اینٹ گرم تھی چنانچہ ہاتھ جل گئے۔ واقعی لال اینٹیں سینکی ہوئی ڈبل روٹی لگ رہی تھیں۔ اب جناب ہم گھر آئے اور اسے میز پر رکھا اور سب کو بلا کر کرسی پر بیٹھ گئے۔ جب سب آگئے تو پہلے "ڈبل روٹی" کو دیکھا گیا پھر مجھے اور پھر ابو نے مجھے شاباشی دی۔ کہ اتنی سینکی ہوئی تازہ تازہ ڈبل روٹی لایا ہوں ...... لیکن جب ڈبل روٹی کو ہاتھ لگایا اور اس کی سختی محسوس کی تو پہلے سب غصے ہوئے مگر پھر

قہقہے لگانے لگے۔ جب پوچھا گیا تو سب کچھ بتا دیا۔

اسی طرح ایک دوسری شرارت وہ یہ کہ ......
ہماری ایک خالہ چھپکلیوں سے بہت ڈرتی تھیں۔ اور اتفاق سے ان دنوں ہمارے گھر میں رہ رہی تھیں۔ ان کو اپنے یہاں دیکھ کر میری رگ شرارت پھڑک اٹھی۔ میں نے جلدی جلدی سے گیلے آٹے کی مدد سے دس بارہ چھپکلیاں بنائیں اور ایک نسبتاً تاریک کمرے میں رکھ دیں۔ چھپکلیاں چوں کہ آٹے کی تھیں چنانچہ چاروں طرف ہم نے دوا چھڑک دی اور خالہ جان کی ایک بہت اچھی چپل وہاں رکھ آئے۔ خالہ اس وقت امی جان کے بیڈ روم میں تھیں۔ چنانچہ ہم وہاں گئے اور خالہ جان سے اسی چپل کو دکھانے کی فرمائش کرنے لگے۔ خالہ جان نے چپل ڈھونڈنی چاہی مگر نہیں ملی پھر میں نے کہا کہ وہ والا تاریک کمرہ بھی دیکھ لیں جب وہ وہاں پہنچیں اور لائٹ جلائی۔ تو سب کی چیخیں نکل گئیں۔ جب اصلیت کا پتا چلا تو چونکہ ہم نے ہی فرمائش کی تھی اور جگہ بھی بتائی تھی اس لئے ہماری پیشی ہوئی اور پھر تھوڑی سی پٹائی بھی۔

تیسری شرارت اور سن لیجئے......بسنت کا موسم آرہا تھا۔ ہم نے بھی پتنگیں خریدیں اور چھت پر اڑانے لگے۔ چونکہ چھت کی منڈیر کافی اونچی تھیں چنانچہ گرنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد ہماری پتنگ کٹ گئی۔ ہم نے دوسری اڑائی وہ بھی کٹ گئی۔ ہم کو پہلے تو بہت غصہ آیا۔ پھر اچانک ایک شرارت سوجھی ہم نے تیسری پتنگ اٹھائی اور اس کے مانجھے پر گوند لگا دی۔ اور اڑانا شروع کر دی اب جو بھی پتنگ ٹکراتی وہ چپک کر رہ جاتی چونکہ گوند نہ سوکھنے والی تھی۔ چنانچہ تیز ہوا لگنے کے باوجود گوند نہیں سوکھی۔ تھوڑی دیر میں ساری پتنگیں ہماری پتنگ سے چپک گئیں اور پھر ہم نے ان کو اپنی چھت پر اتار لیا۔ پہلے پہل تو کچھ لڑکے سمجھ نہیں پائے مگر بعد میں جب سمجھ گئے تو ابو جان سے آکر شکایت کر دی۔ چنانچہ ساری پتنگیں واپس کرنی پڑیں اور اگلے دن کا جیب خرچ بھی نہیں ملا۔

شرارتیں تو بہت ہیں مگر صفحات کم ہیں۔ چنانچہ اب آپ سب اجازت دیجئے۔ ایک زبردست شرارت ذہن میں آرہی ہے۔
وہ پھر بعد میں بتائیں گے!!

سُنہرے موتی

مرسلہ: عمران بن حمید

○ صبح خیزی میں مرغانِ سحر کا سبقت لے جانا تیرے لئے باعثِ ندامت ہے۔
(حضرت ابو بکر صدیقؓ)

○ کسی سے بدلہ لینے میں جلدی نہ کرو اور کسی سے نیکی کرنے میں تاخیر نہ کرو۔
(حضرت شفیق بلخیؒ)

○ ایک عالِم کی طاقت ایک لاکھ جاہلوں سے زیادہ ہے۔
(بایزید بسطامیؒ)

آٹوگراف

○ حکمت ایک ایسا درخت ہے جو دل سے اُگتا ہے اور زبان سے پھل دیتا ہے۔

○ دل اگر سیاہ ہو تو چمکتی ہوئی آنکھ بھی کچھ نہیں کر سکتی۔

○ دل امیر کا ہو تو رکھ لیا جاتا ہے اگر غریب کا ہو تو توڑ دیا جاتا ہے۔

○ تعجب ہے سر توڑنا جُرم ہے دل توڑنا نہیں۔

مرسلہ: رضوانہ کنول

○ بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا اللہ کی نگاہ میں مجاہد کی طرح ہے۔

○ سلامتی اُمید اور خوف کے درمیان میں ہے۔

○ چُغل خور جنّت میں داخل نہ ہو گا۔

مرسلہ: عائشہ خان

○ جن کا اخلاق اچھا ہوتا ہے وہ کبھی تنہا نہیں ہوتے۔

○ خاموشی غصّے کا بہترین علاج ہے۔

○ ماں باپ کی خوشنودی دُنیا میں باعثِ دولت اور آخرت میں باعثِ نجات ہے۔

○ اُستاد کی سختی باپ کی شفقت اور پیار سے بہتر ہے۔

مرسلہ: اظہر خان

○ اعلیٰ ظرفی یہ ہے کہ طاقت ہوتے ہوئے بھی اپنے مخالف کو معاف کر دیا جائے۔

○ معاف کر دینے کا حوصلہ صلح پسند اور خوددار لوگوں میں نمایاں ہوتا ہے۔

○ جب اللہ بندوں کو معاف کر دیتا ہے تو بندہ بندے کو کیوں معاف نہیں کر سکتا۔

مرسلہ: نوید الرحمان

○ اپنے دوست کو ایسا تحفہ دیجئے جس سے وہ چیزیں واضح ہوں۔ ایک آپ کا خلوص دوسرے آپ کا ذوق۔

○ دوستی تحائف لینے دینے سے اور مضبوط ہوتی ہے۔

○ سچّا دوست مل جانا کسی بڑے تحفہ سے کم نہیں

مرسلہ: نعمان علی ہاشمی

وہ قوم ہمیشہ متحد اور زندہ رہتی ہے جس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔

○ سب سے اچھا خون کا قطرہ وہ ہے جو دشمن کے ساتھ لڑتے ہوئے اسلام کی راہ میں بہے۔

○ اس سے بڑھ کر نیکی اور کیا ہو سکتی ہے کہ نیکی کی ترغیب دی جائے اور بُرائی سے منع کیا جائے۔ مرسلہ: فیصل احمد شجراہ کندھ کوٹ

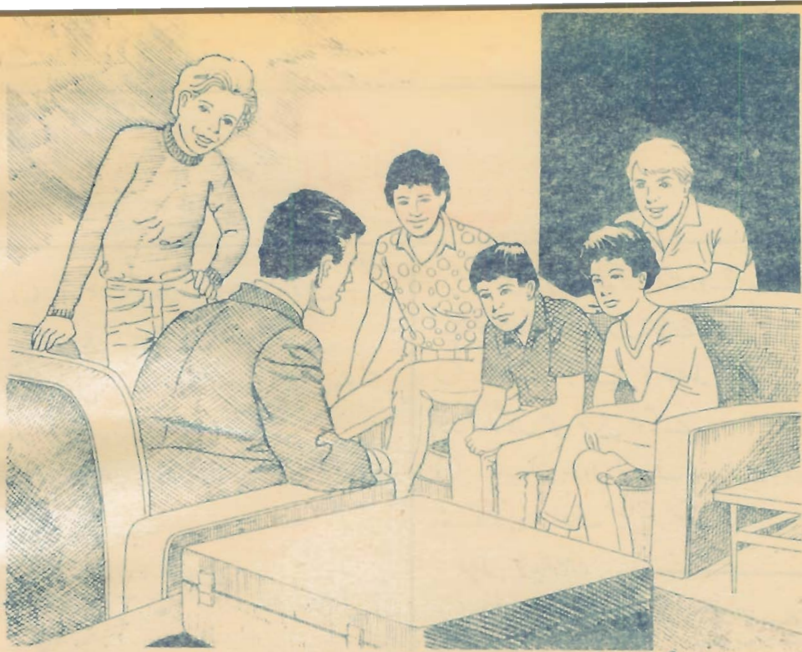

انعامی کہانی

بلاعنوان

محمد علی باری، کراچی

کامران کے ابو دوبئی سے آئے ہوئے تھے۔ گھر میں بڑی رونق تھی۔ پھر ان کے دونوں بھائیوں کے بچّے ساتھ ہی رہتے جس کی وجہ سے چہل پہل ہونا لازمی تھا۔ سردیوں کی ایک شام سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے چلغوزے اور مونگ پھلی سے شغل کر رہے تھے۔ ٹھیک ٹھاک محفل جمی تھی۔ باتیں کرتے ہوئے اچانک کامران کے ابو نے بچّوں سے کہا۔

"بھئی! آج تک آپ لوگوں نے بتایا ہی نہیں کہ بڑے ہو کر کیا بنیں گے؟ چلیں آج باری باری سب بتائیں کہ آخر مستقبل میں کیا ارادے ہیں؟" کامران کے ابو کی بات سُن کر سب بچے خوش ہو گئے۔

"اور ...... جو سب سے اچھے خیالات پیش کرے گا وہ انعام کا مستحق ہو گا۔" ...... منصور ماموں نے لُقمہ دیا جو کامران کے ابّو سے ملنے آئے ہوئے تھے۔

"ویری گڈ ...... یہ ہوئی نہ بات۔" ...... نعمان خوش ہو گیا ...... منصور ماموں نے اپنے لڑکوں کو ایک طرف کر لیا اور کامران، انور اور نعمان اپنے ابّو مُراد صاحب کی طرف ہو گئے۔

اب باری باری سب کھڑے ہو کر بتانے لگے

کہ بڑے ہو کر وہ کیا بنیں گے ......!!
سب سے پہلے انجم کھڑا ہوا اور بولا۔
"میں بڑا ہو کر فوجی بنوں گا تا کہ مُلک کی سرحدوں کی حفاظت کر سکوں۔"
"شاباش!"
سب نے بھر پور انداز سے تالیاں بجائیں۔ تالیاں ختم ہوئیں تو فہد نے کہا۔
"میں ایک اچھا ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں تا کہ ملک کے نادار مریضوں کا مُفت علاج کر کے ان کی دُعاؤں سے اپنی زندگی سنوار سکوں۔"
فہد کے اِرادے سن کر سب خوش ہوئے اور بہت ساری تالیاں بجائی گئیں۔
"فہد کے بعد انور مؤدب کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔
"میں ایک کامیاب وکیل بن کر ان لوگوں کی وکالت کروں گا جنہیں ان کا حق نہیں ملتا۔"
"شاباش! بھئی بہت اچھے!!" کامران کے ابّو اور منصور ماموں نے کہا اور بچّوں نے پھر بہت ساری تالیاں بجائیں۔
نعمان کھڑا ہوا اور مقرّروں کی طرح بولا۔
"جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک میں انجینئروں کی کمی ہے جس کی وجہ سے ہمارا ملک ترقی نہیں کر پا رہا اور بحران کا شکار ہو رہا ہے میں بڑا ہو کر انجینئر بنوں گا اور ملک و ملّت کی خدمت اور ترقی کے لئے کام کروں گا۔"

اتنا کہہ کر نعمان بیٹھ گیا پھر بہت ساری تالیاں بجیں اور اب فرحت کی باری آگئی۔ فرحت نے کہا۔
"میں صحافی بنوں گی، غریبوں کو قلم کے ذریعے ان کا حق دلاؤں گی اور سچائی کے راستے پر چلوں گی۔"
فرحت جیسے ہی خاموش ہوئی تو تالیاں بجنے لگیں پھر خاموشی چھائی تو منصور ماموں بولے۔ "بھئی سمجھ میں نہیں آرہا کہ انعام کس کو دیا جائے؟ سب ہی کے خیالات لاجواب اور بہت اچھے ہیں۔"
"ارے! کامران میاں ابھی باقی ہیں ان کے خیالات بھی تو پوچھ لیں!!" کسی نے توجّہ دلائی۔
"ارے بھئی! یہ تو بہت چھوٹا ہے۔ اسے مستقبل کی فکر کہاں ہوگی!" ماموں بولے۔
"لیکن اس سے پوچھا تو جانا چاہئے ...... کیوں کامران بیٹے تم کچھ نہیں کہو گے؟" ابّو نے کہا تو کامران خاموش نگاہوں سے سب کو دیکھنے لگا۔
"ہاں ہاں بتاؤ۔" سب بولے تو کامران نے دھیمے لہجے میں کہا۔
"میں انسان بنوں گا کیوں کہ ہمارے ملک میں انسانوں کی بڑی کمی ہے اور جو انسان ہوتا ہے وہ سب سے پیار کرتا ہے اور سب کے کام آتا ہے۔"
"شاباش! تم واقعی اچھے انسان بنو گے۔ تم نے سب کو ہرا دیا۔ یہ لو اپنا انعام ......" منصور ماموں نے اُٹھ کر ننھے کامران کا منہ چُوم لیا۔

آخری بات

مثل مشہور ہے کہ ایک اکیلا اور دو گیارہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ دو آدمی اگر ایکا کر لیں تو ان کی طاقت اکیلے آدمی سے گیارہ گُنا زیادہ ہوتی ہے اس سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ اتفاق اور اتحاد میں کتنی برکت ہے۔

روز مرہ کی زندگی میں ایسی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے آتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اتحاد میں بڑی طاقت پوشیدہ ہے جب کہ اختلاف ایک بہت بڑی کمزوری ہے۔ بکھرے ہوئے تنکوں کو ہوا کا ایک جھونکا جدھر چاہے اُڑا لے جائے لیکن بندھے ہوئے گٹھے کو اُٹھانے کے لئے بھی طاقت درکار ہوتی ہے۔ پانی کے ایک قطرے کو زمین فوراً جذب کر لیتی ہے لیکن جب قطرے ملتے ہیں تو دریا اور سمندر بنا لیتے ہیں جو بڑے بڑے ٹیلوں اور چٹانوں کو بہا لے جاتے ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کو سمجھانے کے لئے اک شعر کہا ہے کہ

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

آنکھ مچولی کا سالانہ خریداری کا کوپن

نام ______

مہینہ جس سے رسالہ شروع کروانا چاہتے ہیں ______

رقم ______ بذریعہ ______

پتہ ______

______

فون نمبر ______

Hilal
LOVE CANDY
The Candy Full Of Love
Hilal Confectionery (Pvt.) Ltd.
Head Office: 510-Clifton Centre, Kehkashan, Clifton, Karachi.

image

REGD No. M-266 OCTOBER 1994
MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI